تعلیم و تدریس - طلباء کے والدین کی تربیت اور اخلاقی قدروں کا علمبردار - ترجمانی ماہنامہ

پندرھویں صدی

رمضان المبارک ۱۴۰۲ ہجری
مطابق
جولائی ۱۹۸۲ء

اعزازی نگراں — مشکور علی صدیقی
چیف ایڈیٹر — ایم۔ اے۔ صدیقی
ایڈیٹر — ضیاء الرب خان

جلد ۱ — شمارہ ۷
قیمت — دو روپے
ششماہی ممبرشپ — دس روپے
نوٹ: خصوصی نمبر ممبران کے لئے مفت

پندرھویں صدی ماہنامہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے

...رشد صدیقی: پروپرائٹر پرنٹر اور پبلشر نے جمال پریس میں چھپوا کر ۱۰۵۹ گلی راجان فراشخانہ دہلی سے شائع کی

فہرست مضامین

[illegible] کے ہر متعلقہ فرد کو تجارتی تحفظ اور صنعتی بہبودی کا یقین دلاتا ہے۔

تجارتی راز

(مولانا وحید الدین خاں)

علاقہ میں کئی مسلم ہوٹل ہیں میں دس سال سے ان کو دیکھ
رہا ہوں مگر ان میں صرف ایک ہوٹل ایسا ہے جو اس مدت
میں مسلسل ترقی کرتا رہا ہے باقی تمام ہوٹل جہاں دس سال
پہلے تھے وہیں آج بھی پڑے ہوئے ہیں ترقی کرنے والے
ہوٹل کے مالک سے میں نے ایک روز پوچھا کہ آپ کی ترقی
کا راز کیا ہے۔ ” بالکل سادہ“ انہوں نے جواب دیا ”
جو چیز دوسرے ہوٹل والے کیلو میں خریدتے ہیں اس کو ہم
بوروں میں خریدتے ہیں ہر خریداری کے وقت ہم پورے
بازار کو دیکھتے ہیں اور جو چیز جہاں کفایت سے ملتی ہے
اس کو وہاں سے لیتے ہیں زیادہ مقدار اور نقد خریداری
کی وجہ سے چیز ہم کو اور بھی سستی پڑ جاتی ہے اس کے بعد
انہوں نے ہنس کر کہا ” گاہک سے نہیں کمایا جاتا بازار سے کمایا
جاتا ہے۔

عام طور پر دوکانداروں کا یہ حال ہے کہ جو گاہک
سامنے آجائے بس اس کی جیب سے زیادہ سے زیادہ پیسے
نکال لینے کو دکانداری سمجھتے ہیں یہ دکانداری نہیں لوٹ
ہے اور جس دکاندار کے بارے میں مشہور ہو جائے کہ وہ ”
لوٹتا ہے“ اس کے یہاں کون خریداری کے لئے جائے گا یہی وجہ
ہے کہ اس قسم کے دکاندار زیادہ ترقی نہیں کر پاتے۔ دکانداری
کا زیادہ اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ مال کی خریداری کے وقت آپ
کوشش کریں کہ آپ کو کم قیمت میں مال ملے تاکہ نرخ سے گاہک
کو دینے کے بعد بھی آپ کو زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

یہ اصول ہر قسم کے کاروبار کے لئے صحیح ہے ہر کاروبار میں
ایسا ہوتا ہے کہ دکاندار اپنے گاہک کے ہاتھ جو چیز بیچتا
ہے اس کو وہ خود کہیں سے خرید کر لاتا ہے۔ یہ خریداری خواہ
ایک مرحلہ میں ہو یا کئی مرحلوں میں اس کی ہمیشہ کئی صورتیں ہیں۔
اکثر دکاندار مشقت اور دوڑ بھاگ سے بچنے کے لئے کسی
آسان یا ترسیلی ذریعہ سے اپنی ضرورت کا سامان حاصل کرتے
ہیں لیکن اگر دوڑ بھاگ کی جائے اور محنت سے کام لیا جائے
تو وہی چیز نسبتاً کم قیمت میں حاصل کی جا سکتی ہے جس کو مذکور
شخص محنت سے بچنے کی خاطر زیادہ قیمت میں حاصل کر رہا ہے

عام دکاندار ہمیشہ اپنی محنت کی کمی کو گاہک کی جیب
سے زیادہ وصول کر کے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس قسم کی
تجارت کبھی آدمی کو بڑی ترقی تک نہیں پہنچاتی بہترین تجارتی
گر یہ ہے کہ گاہک کو ممکن حد تک مناسب نرخ پر چیزیں
فراہم کی جائیں اور گاہک کے ہاتھ بیچنے سے پہلے کا جو مرحلہ
ہے اس میں زیادہ سے زیادہ ” کمانے کی کوشش کی جائے زیادہ
کمائی بازار سے کی جائے نہ کہ گاہک سے ——

آسانی ہمیشہ مشکلوں کے بعد آتی ہے

گرمیوں کے موسم میں گرد و غبار سے بھری تیز آندھی
جب اٹھتی ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصیبت
کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر روس کے ماہرین موسمیات نے تاقرم
کے ریگستانوں میں تحقیقات کے بعد بتایا ہے کہ گرد بھری ہوئی
آندھیاں زمین پر موسم کی سختی کو کنٹرول کرنے کا ایک قدرتی
ذریعہ ہیں جب آندھیاں چلتی ہیں تو ان کی وجہ سے گرد
اٹھ کر چھا جاتی ہے اور فضا میں ایک غلاف کی صورت
بنا لیتی ہے اس طرح یہ آندھیاں زمین کی سطح کو گرمی کی تپش سے
محفوظ رکھتی ہیں روسی سائنس دانوں نے مختلف آلات اور
جہازوں کا استعمال کر کے آندھیوں کی خصوصیات کا مطالعہ
کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی ریگستان
کی تپتی ہوئی سطح اس وقت ٹھنڈی ہو جاتی ہے جب گرد

(باقی [illegible])

[illegible] ہوتی ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہے گرد کے بادل یہ دار بادل محدود فضا میں بھی چھا سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی جیسے عرب سے جنوبی امریکہ تک اور وسط ایشیا سے بحر آرکٹک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی مشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پُر مشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے اور اس سے مطابقت کرکے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو ”آندھی“ کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سر پر ٹھنڈا بادل سایہ کرلے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ ”مختصر راستہ“ کا لفظ ممکن ہے کو اور پگڈنڈیوں کی دنیا کے لئے صحیح ہے۔ مگر زندگی کی جدوجہد میں ”مختصر راستہ“ کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا اس نے ایک ہیرا چرا لیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہوگیا۔ انہوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کر دیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کردی نوجوان نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستے سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی میں داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مر گیا .... سیڑھی کا راستہ اگر کسی کو بند نظر آئے تو وہ ”کھڑکی“ سے چھلانگ لگا کر سڑک

[illegible] سے [illegible]
پر کود کر سڑک سے ... بظاہر یہ ایک آسان راستہ معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے عقل مند لوگ بھی ٹھیک اسی طرح کی زندگی میں دہراتے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

کامیابی کا سادہ اصول

ایک صاحب نے تالے کی مارکیٹ میں دکان کھولی وہ روزانہ دیکھتے تھے کہ بے شمار آدمی سڑک پر آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں مگر ان کی اکثریت ان کی دکان کو دیکھتی ہوئی گزر جاتی تھی ایک روز ان کے ساتھ ایک واقعہ گزرا جس نے ان کو دکان داری کا راز بتا دیا وہ کپڑا خریدنے کے لئے۔ کپڑے کی مارکیٹ میں گئے وہاں مسلسل بہت سی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ایک کے بعد ایک دکان سے گزر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس دکان میں داخل ہوں اتنے میں ایک دکان دار نے ان کو اپنی دکان کے سامنے دیکھ کر کہا:

”آئیے جناب اندر آکر دیکھئے“ یہ سن کر وہ دکان کے اندر داخل ہو گئے۔

اپنے اس تجربے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ مارکیٹ میں جو گاہک آتے ہیں ان کی اکثریت یا تو نئی ہوتی ہے یا کسی خاص دکان سے بندھی ہوئی نہیں ہوتی ایسے لوگ دکانوں سے گزرتے ہیں تو ایک قسم کے تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کس دکان میں داخل ہوں۔ ایسے وقت میں ایک شخص ہمدردانہ انداز میں اگر ان سے کہے کہ اندر تشریف لائیے، تو گویا اس نے ان کے تذبذب کو ختم کیا اس نے ان کو فیصلہ کرنے میں مدد دی ایسا آدمی بیشتر حالات میں چلنے والے آدمی کو اپنی دکان کے اندر بلانے میں کامیاب ہو جائے گا بیشتر لوگوں کے ذہن میں پہلے سے کوئی طے شدہ چیز موجود نہیں ہوتی اگر آپ اس راز کو جان لیں تو معمولی دانش مندی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا سکتے ہیں

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(ابوالفیض سحر)

فارسی کا یہ مصرعہ کہ "قلم گوید کہ من شاہ جہاں تم"
اپنے اندر خیال و فکر کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے اس
کے پیچھے صدیوں کے تجربات، نسلوں کی دانش مندی
اور قوموں اور ملتوں کی زندگیوں کی تاریخ کا شعور
جلوہ گر ہے۔ قلم سے مراد یہاں علم و ہنر کی وہ نعمت
ہے جو ہزاروں دولتوں اور نعمتوں سے برتر اور افضل
ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر بھی ان قوموں
اور ملتوں کا راست طور پر یا بالواسطہ طریقے سے اثر و
رسوخ ہے جو علوم و فنون سے بہرہ ور ہیں۔ معاشی، سیاسی
سماجی اور اقتصادی ترقیات کی بنیاد آج جدید
اور سائنٹفک علوم ہی ہیں جب اس نقطۂ نظر سے ہم
ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرتے ہیں
تو بڑی حد تک مایوسی ہوتی ہے اور روحانی اذیت
بھی پہنچتی ہے کہ وہ قوم جس کی الہامی کتاب کی بھی
پہلی آیت سے لے کر قرآن مکمل اور قرآن مجسم تک
سبھی علم اور تحصیل علم پر زور دیتے آئے، علم سے
بے بہرہ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک بہت
بڑا سوال ہے اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ دراصل
یہ ایک طویل اور مستقل مطالعہ کا موضوع ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان
ابتدائی زمانے سے تعلیم پر بھی توجہ دیتے آئے ہیں۔ مگر یہ
بھی سچ ہے کہ ملکی اور انتظامی ذمہ داریوں نے انہیں
علم و فن کی جستجو و تلاش میں پوری طرح منہمک رہنے سے
محروم رکھا ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے بھی اس علت میں
کافی اضافہ کیا ہے۔ علم کی طرف سے لاپرواہی کا یہ
رویہ اور یہ رجحان دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ پر
ایک لعنت بن گیا جس کی نحوست سے ہندوستان کے
مسلمان آج تک نکل نہیں سکے ہیں اور اسی رجحان نے
بحیثیت مجموعی انہیں زراعت کی طرف، مائل کیا نہ
تجارت کی طرف۔ صرف فن سپاہ گری، اور درباروں
کی ملازمتیں، منشی گریوں کے شوق یا اطمینان نے
مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ
لیا۔ اس پر انقلابات زمانہ نے بھی خوب ستم ڈھائے
تاریخ کی یہ کروٹ ہماری ملی تصویر کا یہ رخ آج بھی
اور آئندہ کے لئے بھی ہماری فکر ہماری ہوشمندی اور
ہماری دانشوری کے دامن کو جھنجوڑ رہا ہے۔

بہرحال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں
علوم و فنون کی کوئی روایت ہی نہیں تھی۔ اس کے
برخلاف ہر شعبہ میں مہارت، خدمت اور کارناموں
کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ مگر آبادی کے اعتبار اور ترقی یافتہ
زندگی کے تقاضوں کے لحاظ سے یہ روایتیں نہ ملنے کے
برابر قرار دی جائیں گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کی کثیر تعداد
کے ساتھ ساتھ کاریگروں اور صنعت کاروں کی بھی
خاصی تعداد ملتی ہے۔ اس طرح بڑے بڑے تاجر بھی کافی
ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری ملت ہر اعتبار سے
پسماندہ ہی رہی چند علماء چند تعلیم یافتہ لوگ کچھ بڑے
صنعت کار یا تاجر ہوں تو ساری ملت کو خوش حال
اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا بعض خاندانوں اور
بعض علاقوں سے ہٹ کر عام مسلمان بحیثیت مجموعی
علم و ہنر اور معاشی آسودگی میں بہت پیچھے ہیں اس کی
کئی وجوہ ہیں اس سلسلہ میں دردمندوں نے کئی بار غور
و فکر کیا ہے بارہا تحقیقی کوششیں بھی کی گئی ہیں بسر کے

[illegible] بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہے گرد کے [illegible] سایہ دار بادل محدود فضا میں بھی چھا سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی جیسے عرب سے جنوبی امریکہ تک اور وسط ایشیا سے بحر کاہل تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پُر مشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پُر مشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے اور اس سے مطابقت کر کے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو "آندھی" کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سر پہ ٹھنڈا بادل سایہ کر لے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ "مختصر راستہ" فقط مجرموں اور [illegible] کی دنیا کے لئے صحیح ہے۔ مگر زندگی کی جدوجہد میں "مختصر راستہ" کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا اس نے ایک ہیرا چرا لیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہو گیا۔ انہوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کر دیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کر دی نوجوان نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستے سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی میں داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مر گیا

سیڑھی کا راستہ اگر کسی کو بند نظر آئے تو وہ "کھڑکی" سے چھلانگ لگا کر سڑک پہ [illegible] سڑک ہے — بظاہر یہ ایک [illegible] حل معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے عقل مند لوگ بھی ٹھیک اسی طرح زندگی میں کرتے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

کامیابی کا سادہ اصول

ایک صاحب نے تالے کی مارکیٹ میں دکان کھولی وہ روزانہ دیکھتے تھے کہ بے شمار آدمی سڑک پر آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں مگر ان کی اکثریت ان کی دکان کو دیکھتی ہوئی گزر جاتی تھی ایک روز ان کے ساتھ ایک واقعہ گزرا جس نے ان کو دکان داری کا راز بتا دیا وہ کپڑا خریدنے کے لئے کپڑے کی مارکیٹ میں گئے وہاں مسلسل بہت سی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ایک کے بعد ایک دکان سے گزر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس دکان میں داخل ہوں اتنے میں ایک دکان دار نے ان کو اپنی دکان کے سامنے دیکھ کر کہا:

"آئیے جناب اندر آ کر دیکھئے" یہ سن کر وہ دکان کے اندر داخل ہو گئے۔

اپنے اس تجربے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ مارکیٹ میں جو گاہک آتے ہیں ان کی اکثریت یا تو نئی ہوتی ہے یا کسی خاص دکان سے بندھی ہوئی نہیں ہوتی ایسے لوگ دکانوں سے گزرتے ہیں تو ایک قسم کے تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کس دکان میں داخل ہوں۔ ایسے وقت میں ایک شخص ہمدردانہ انداز میں اگر ان سے کہے کہ "اندر تشریف لائیے" تو گویا اس نے ان کے تذبذب کو ختم کیا اس نے ان کو فیصلہ کرنے میں مدد دی ایسا آدمی بیشتر حالات میں چلنے والے آدمی کو اپنی دکان کے اندر بلانے میں کامیاب ہو جائے گا بیشتر لوگوں کے ذہن میں پہلے سے کوئی طے شدہ چیز موجود نہیں ہوتی اگر آپ اس راز کو جان لیں تو معمولی دانش مندی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(ابوالفیض سحر)

فارسی کا یہ مصرعہ "قلم گوید کہ من شاہ جہانم"
اپنے اندر خیال و فکر کی ایک دنیا لیئے ہوئے ہے اس
کے پیچھے صدیوں کے تجربات، نسلوں کی دانشمندی
اور قوموں اور ملتوں کی زندگیوں کی تاریخ کا شعور
جلوہ گر ہے۔ قلم سے مراد یہاں علم و ہنر کی وہ نعمت
ہے جو ہزاروں دولتوں اور نعمتوں سے برتر اور افضل
ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر بھی ان قوموں
اور ملتوں کا راست طور پر یا بالواسطہ طریقے سے اثر و
رسوخ ہے جو علوم و فنون سے بہرہ ور ہیں۔ معاشی، سیاسی
سماجی اور اقتصادی ترقیات کی بنیاد آج جدید
اور سائنٹفک علوم ہی ہیں جب اس نقطۂ نظر سے ہم
ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرتے ہیں
تو بڑی حد تک مایوسی ہوتی ہے اور روحانی اذیت
بھی پہنچتی ہے کہ وہ قوم جس کی الہامی کتاب کی بھی
پہلی آیت سے لے کر قرآن مکمل اور قرآن مجسم تک
سبھی علم اور تحصیل علم پر زور دیتے آئے، علم سے
بے بہرہ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک بہت
بڑا سوال ہے اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ دراصل
یہ ایک طویل اور مستقل مطالعہ کا موضوع ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان
ابتدائی زمانے سے تعلیم پر ہی توجہ دیتے آئے ہیں۔ مگر یہ
بھی سچ ہے کہ ملکی اور انتظامی ذمہ داریوں نے انہیں
علم و فن کی جستجو و تلاش میں پوری طرح منہمک رہنے سے
محروم رکھا ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے بھی اس علت میں
کافی اضافہ کیا ہے۔ علم کی طرف سے لاپرواہی کا یہ
رویہ اور یہ رجحان دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ پر
ایک لعنت بن گیا جس کی نحوست سے ہندوستان کے
مسلمان آج تک نکل نہیں سکے ہیں اور اسی رجحان نے
بہ حیثیت مجموعی انہیں زراعت کی طرف، مائل کیا نہ
تجارت کی طرف۔ صرف فن سپاہ گری، اور درباروں
کی ملازمتیں و منشی گریوں کے شوق یا اطمینان نے
مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ
لیا۔ اس پر انقلابات زمانہ نے بھی خوب ستم ڈھائے
تاریخ کی یہ گردش ہماری کالی تصویر کا یہ رخ آج بھی
اور آئندہ کے لئے بھی ہماری فکر ہماری ہوشمندی اور
ہماری دانشوری کے دامن کو جھنجھوڑ رہا ہے۔

بہرحال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں
علوم و فنون کی کوئی روایت ہی نہیں تھی۔ اس کے
برخلاف ہر شعبہ میں مہارت، خدمت اور کارناموں
کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ مگر آبادی کے اعتبار اور ترقی یا
زندگی کے تقاضوں کے لحاظ سے یہ روایتیں نہ ملنے کے
برابر قرار دی جائیں گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کی کثیر تعداد
کے ساتھ ساتھ کاریگروں اور صنعت کاروں کی بھی
خاصی تعداد ملتی ہے۔ اس طرح بڑے بڑے تاجر بھی کافی
ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری ملت ہر اعتبار سے
پسماندہ ہی رہی چند علماء چند تعلیم یافتہ لوگ کچھ بڑے
صنعت کار یا تاجر ہوں تو ساری ملت کو خوش حال
اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض خاندانوں اور
بعض علاقوں سے ہٹ کر عام مسلمان بہ حیثیت مجموعی
علم و ہنر اور معاشی آسودگی میں بہت پیچھے ہیں اس کی
کئی وجوہ ہیں اس سلسلہ میں دردمندوں نے کئی بار غور
و فکر کیا ہے بارہا تحقیقی کوششیں بھی کی گئی ہیں سر دست

بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہو گئی ہے گرد کے یہ غبار یہ دار بادل محدود فضا میں بھی پھیل سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی جیسے عرب سے جنوبی امریکہ تک اور وسط ایشیا کے ممالک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پُرمشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پُرمشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے اور اس سے مطابقت کر کے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو "آندھی" کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سر پر ٹھنڈا بادل سایہ کر لے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ "مختصر راستہ" شعبدہ بازوں اور ہتھکنڈیوں کی دنیا کے لئے صحیح ہے۔ مگر زندگی کی جدوجہد میں "مختصر راستہ" کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا اس نے ایک ہیرا چرا لیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہو گیا۔ انہوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کر دیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کر دی نوجوان نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستے سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی تک پہنچا داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مر گیا

سیڑھی کا راستہ اگر کسی کو بند نظر آئے تو وہ "کھڑکی" سے چھلانگ لگا کر سڑک پر نہیں پہنچ سکتا ایسی چھلانگ اس کو جان دینے کی خبر دیتی ہے نہ کہ سڑک —— بظاہر یہ ایک احمق نوجوان کا قصہ معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے عقل مند لوگ بھی ٹھیک اسی طرح زندگی میں برتتے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

کامیابی کا سادہ اصول

ایک صاحب نے تالے کی مارکیٹ میں دکان کھولی وہ روزانہ دیکھتے تھے کہ بے شمار آدمی سڑک پر آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں مگر ان کی اکثریت ان کی دکان کو دیکھتی ہوئی گزر جاتی تھی ایک روز ان کے ساتھ ایک واقعہ گزرا جس نے ان کو دکان داری کا راز بتا دیا وہ کپڑا خریدنے کے لئے۔ کپڑے کی مارکیٹ میں گئے وہاں مسلسل بہت سی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ایک کے بعد ایک دکان سے گزر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس دکان میں داخل ہوں اتنے میں ایک دکان دار نے ان کو اپنی دکان کے سامنے دیکھ کر کہا:

"آئیے جناب اندر آ کر دیکھئے" یہ سن کر وہ دکان کے اندر داخل ہو گئے۔

اپنے اس تجربے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ مارکیٹ میں جو گاہک آتے ہیں ان کی اکثریت یا تو نئی ہوتی ہے یا کسی خاص دکان سے بندھی ہوئی نہیں ہوتی ایسے لوگ دکانوں سے گزرتے ہیں تو ایک قسم کے تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کس دکان میں داخل ہوں۔ ایسے وقت میں ایک شخص ہمدردانہ انداز میں اگر ان سے کہے کہ "اندر تشریف لائیے" تو گویا اس نے ان کے تذبذب کو ختم کیا اس نے ان کو فیصلہ کرنے میں مدد دی ایسا آدمی بیشتر حالات میں چلنے والے آدمی کو اپنی دکان کے اندر بلانے میں کامیاب ہو جائے گا بیشتر لوگوں کے ذہن میں پہلے سے کوئی طے شدہ چیز موجود نہیں ہوتی اگر آپ اس راز کو جان لیں تو معمولی دانش مندی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(ابوالفیض سحر)

فارسی کا یہ مصرعہ "قلم گوید کہ من شاہِ جہانم" اپنے اندر خیال و فکر کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے اس کے پیچھے صدیوں کے تجربات، نسلوں کی دانشمندی اور قوموں اور ملتوں کی زندگیوں کی تاریخ کا شعور جلوہ گر ہے۔ قلم سے مراد یہاں علم و ہنر کی وہ نعمت ہے جو ہزاروں دولتوں اور نعمتوں سے برتر اور افضل ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر بھی ان قوموں اور ملتوں کا راست طور پر یا بالواسطہ طریقے سے اثر و رسوخ ہے جو علوم و فنون سے بہرہ ور ہیں۔ معاشی، سیاسی سماجی اور اقتصادی ترقیات کی بنیاد آج جدید اور سائنٹفک علوم ہی ہیں جب اس نقطۂ نظر سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرتے ہیں تو بڑی حد تک مایوسی ہوتی ہے اور روحانی اذیت بھی پہنچتی ہے کہ وہ قوم جس کی الہامی کتاب کی بھی پہلی آیت سے لے کر قرآن مکمل اور قرآن مجسم تک سبھی علم اور تحصیل علم پر زور دیتے آئے، علم سے بے بہرہ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ ایک طویل اور مستقل مطالعہ کا موضوع ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان ابتدائی زمانے سے تعلیم پر ہی توجہ دیتے آئے ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ملکی اور انتظامی ذمہ داریوں نے انہیں علم و فن کی جستجو و تلاش میں پوری طرح منہمک رہنے سے محروم رکھا ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے بھی اس علت میں کافی اضافہ کیا ہے۔ علم کی طرف سے لاپرواہی کا یہ رویہ اور یہ رجحان دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ پر ایک لعنت بن گیا جس کی نحوست سے ہندوستانی مسلمان آج تک نکل نہیں سکے ہیں اور اسی رجحان نے بہ حیثیت مجموعی انہیں زراعت کی طرف، مائل کیا نہ تجارت کی طرف۔ صرف فن سپاہ گری، اور درباروں کی ملازمتیں و منشی گریوں کے شوق یا اطمینان نے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ اس پر انقلابات زمانہ نے بھی خوب ستم ڈھائے تاریخ کی یہ کروٹ ہماری ملی تصویر کا یہ رخ آج بھی اور آئندہ کے لئے بھی ہماری فکر ہماری ہوشمندی اور ہماری دانشوری کے دامن کو جھنجوڑ رہا ہے۔

بہرحال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی کوئی روایت ہی نہیں تھی۔ اس کے برخلاف ہر شعبہ میں مہارت، خدمت اور کارناموں کی بہترین مثالیں ملی ہیں۔ مگر آبادی کے اعتبار اور ترقی یا زندگی کے تقاضوں کے لحاظ سے یہ روایتیں نہ ملنے کے برابر قرار دی جائیں گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ کاریگروں اور صنعت کاروں کی بھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ اس طرح بڑے بڑے تاجر بھی کافی ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری ملت ہر اعتبار سے پسماندہ ہی رہی چند علماء چند تعلیم یافتہ لوگ کچھ بڑے صنعت کار یا تاجر ہوں تو ساری ملت کو خوشحال اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا بعض خاندانوں اور بعض علاقوں سے ہٹ کر عام مسلمان بہ حیثیت مجموعی علم و ہنر اور معاشی آسودگی میں بہت پیچھے ہیں جس کی کئی وجوہ ہیں اس سلسلہ میں دردمندوں نے کئی بار غور و فکر کیا ہے بارہا تحقیقی کوششیں بھی کی گئی ہیں سروے

کا کام کیا گیا ہے۔ [illegible] میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں۔ رپورٹیں لکھی گئی ہیں مگر سب کسی نہ کسی کمی اور کوتاہی کا شکار ہوئی ہیں۔ صحیح تصویر پھر بھی پوری طرح عیاں ہو کر سامنے نہیں آئی ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے [illegible] مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی سب سے [illegible] ہے۔ میں اس سے پوری طرح متفق نہیں ہوں میرا خیال ہے کہ محض غربت ہی سب کچھ نہیں ہے کئی وجوہ اور بھی ہیں ان میں سے یہ صرف ایک وجہ ہے۔ بلکہ یہ کہوں تو شاید غلط نہ ہو کہ غیر اہم وجہ ہے سب سے اہم وجہ میری نظر میں خود مسلمانوں کی بے حسی، بے شعوری اور بے عملی ہے جو خشکی اور خاندانی غفلت اور لاپروائی سے شروع ہو کر ملت کی معاشی بدحالی اور تعلیمی پسماندگی میں نتیجہ خیز ہوتی ہے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہندوستان کے سارے مسلمان سب کے سب غریب نہیں۔ بعض بعض علاقوں میں جیسے کیرلا، تامل ناڈو، مہاراشٹر اور کشمیر اور یوپی، مغربی بنگال کے بیشتر مسلم گھرانے کے متمول ہیں۔ مگر تعلیمی پسماندگی تقریباً ہر جگہ یکساں ہے۔ امیر مسلمان تو اپنے بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلا سکتے ہیں اچھے سے اچھے اسکول داخل کرا سکتے ہیں مگر ایک خاص سطح پر پہنچ کر ان کا تعلیمی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ خاندانی تجارت اور کاروبار سے منسلک ہو جاتے ہیں دوسری طرف بالکل غریب اور مفلس مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے کے موقف نہیں ہوتے مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلانا چاہتے ہیں مگر ان کے حالات اجازت نہیں دیتے، والدین بچوں کی تعلیم و تربیت کے اخراجات کی کفالت نہیں کر پاتے نہ ساتھ ہی ان کی کثیر العیالی اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ بچے جوں ہی بڑے ہونے لگیں اور کام کرنے اور کمانے بھی لگیں ورنہ ان کی گذر بسر مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ خود مقامی انتظامیہ کی پیدا کردہ دشواریاں ہلاکت خیز ہوتی ہیں۔

اسی موقع پر یہ بتا دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ "نیم حکیم خطرہ جان" کا علم رکھنے والے دانشور اور پڑھے لکھے لوگ موقع پرست اور مصلحت پسند لوگ یا ملازمت پیشہ لوگ ملازمت ہی کی غلامانہ ذہنیت جو کہ پرانی سپہ گری درباروں کی ملازمت یا منشی گیری کی ملازمتوں کی ذہنیت ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے اپنے بچوں کو اپنی زبان چھوڑ کر دوسری زبانوں یا انگریزی ذریعۂ تعلیم سے تعلیم دلاتے ہیں۔ اس فعل میں بھی کچھ ہی پھل پا تے ہیں لیکن زیادہ تر بچے بھی ادھر ادھر گر جاتے ہیں مگر دوسروں کے لئے تذبذب اور تردد کی راہ چھوڑ جاتے ہیں جو اپنی حقیقی منزل کی طرف لیجانے کے بجائے دوسرے سرابوں سے دوچار کرا دیتی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم مسئلہ کے دوسرے رخ پر نظر ڈالتے ہیں تو بھی ایسی کئی مثالیں مل جاتی ہیں جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لگ بھگ ہر شہر میں کئی ایسے مسلم گھرانے ہوتے ہیں جو جنہیں کھاتے پیتے خوشحال خاندان کہہ سکتے ہیں۔ مگر ان کے بچے بھی پرائمری اسکول یا مڈل اسکول سے آگے نہیں جاتے اس لئے انہیں معلوم ہے کہ پڑھ لکھ کر اتنا نہیں کمایا جا سکتا جتنا کہ کسی کاروبار یا ہنر میں مہارت حاصل کر کے کمایا جا سکتا ہے اس لئے وہ ایسی رسمی تعلیم جو عملی زندگی میں ان کے کام نہ آ سکے یا جوان کا پیٹ نہ بھر سکے اسے وہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ کرنے سے حاصل؟ یہ رویہ ایک حد تک درست معلوم ہوتا ہے مگر شئے کی حیثیت کو دیکھنے کی نظر سے دیکھا جائے تو ایک اچھا انسان ایک اچھا شہری بننے کے لئے کردار کی پختگی کے لئے کم از کم اسکول کی تعلیم کو مکمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کم تعلیم یافتہ نوجوان اگر کسی پیشے یا کاروبار یا دستکاری یا صنعت سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو وقتی طور پر تو انہیں فائدہ مل سکتا ہے اور چھوٹی عمر سے کمانے بھی لگتے ہیں مگر اسی [illegible]

پہلی شرط

صفیہ سلطانہ واسطی نگینہ بجنور

افسانہ

"ڈاکٹر راحیل نے اپنی ڈسپنسری کھولی۔ اور سامنے پڑی ہوئی ساگوان کی منقش کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کا چہرہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ شہر کا مشہور ڈاکٹر ہزاروں مایوس مریضوں کا معالج آج بذات خود ایک مریض معلوم ہو رہا تھا ..."

راحیل بہت خاموش اپنی کرسی پر سر جھکائے بیٹھے تھے کہ ایک کراہتا ہوا آدمی آیا اور ان سے اپنا حال بیان کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مریضوں کی بھیڑ لگ گئی ڈاکٹر راحیل کے ہاتھ بڑی پھرتی سے اپنا کام کر رہے تھے لیکن اس سے زیادہ تیزی سے ان کا دماغ کام کر رہا تھا ایک بجے دوپہر وہ اپنے مریضوں سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے ملازم حمید کو کمرے میں بلایا اور ایک پرچہ دے کر اس کو کہیں جانے کی ہدایت کر دی۔ حمید کو بھیجکر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور کرسی پر بیٹھ کر حمید کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حمید پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہوا۔ ......"

"کیا رہا حمید ...." راحیل نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا ..."

"بات نہیں بنی ...." سرکار" حمید نے مایوس کن لہجہ میں کہا۔

"کیوں .... وہاں صاحب نہیں ملے ...؟"

راحیل نے گھبرا کر پوچھا ...."

"ٹھہر جائیے صاحب! ذری ایک دم لے لوں تو بتاؤں۔ حمید یہ کہہ کر ٹیبل فین کے سامنے کھڑا ہو گیا ......"

"اسٹول پر بیٹھ جاؤ .... حمید ..." راحیل نے رومال سے اپنی پیشانی کا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا .... اور حمید دعائیں دیتا ہوا اسٹول پر بیٹھ گیا ... اور بولا .... بات یہ ہوئی سرکار میں جب خاں صاحب کے گھر پہنچا تو وہ مجھے باہر برآمدے ہی میں مل گئے میں نے آپ کا پرچہ انہیں دے دیا۔ انہوں نے پرچہ پڑھا اور پھر گھر میں چلے گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہنے لگے ..."

حمید میاں میں اس قابل کہاں جو ڈاکٹر صاحب سے رشتہ جوڑوں۔ میں تو غریب آدمی ہوں۔ کہاں سے لاؤں گا اتنی دولت جو ہزاروں کا جہیز دے کر اپنی بیٹی کی شادی راحیل میاں سے کروں۔ آخر ان کے والدین کو بھی تو کچھ آرزوئیں ہوں گی؟ وہ ابھی ناسمجھ ہیں جو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے۔ ان کے والدین کو جب پتہ چلے گا کہ ان کا لڑکا ایک غریب لڑکی سے شادی کر رہا ہے تو وہ آگ بگولہ ہو جائیں گے۔ تم ان سے جا کر کہہ دو کہ وہ اپنے والدین کی مرضی کے مطابق شادی کریں..." حمید نے بے کم و کاست پوری بات سنا ڈالی ..."

راحیل نے کہا ... ہم دولت کی نہیں شرافت کی قدر کرتے ہیں یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ شریف لوگوں کی بیٹیاں دولت نہ ہونے کی وجہ سے انتظار کی گھڑیاں گنتے گنتے بوڑھی ہو جائیں۔ اور امیر لوگوں کی بدکردار لڑکیاں عیش و عشرت کی زندگی گذاریں۔ ..."

"بے شک .... سرکار ...!" حمید نے سر کو جھکاتے ہوئے ... کہا ...."

اچھا حمید چلو ..... اب گھر چلتے ہیں

راحیل نے ایک لمبی سانس لی اور کرسی سے اٹھ کر

کھڑے ہو گئے جمید بھی ان کے ساتھ گھر کے لئے روانہ ہو گیا ...۔"

وہ گھر پہنچے تو کیا محسوس کیا کہ گھر آج معمول سے زیادہ ہی چہل پہل ہے ۔ راحیل نے اپنے کمرے کا پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گئے ۔ سخت گرمی کے باعث وہ پسینے میں شرابور ہو رہے تھے ۔ انہوں نے کپڑے تبدیل کئے اور سوئچ آن کر کے مسہری پر لیٹ گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد نمو کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو راحیل نے اس سے کہا ۔ ۔ "نمو ! ذرا نجمہ کو میرے پاس بھیج دو ....."

اچھا بابو جی ابھی بھیج دوں گی ... کہتی ہوئی نمو جھپاک سے کمرے سے نکل گئی ۔ راحیل نے اٹھ کر واش بیسن میں ہاتھ دھوئے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے ۔ راحیل کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اب بھی اداس ہو رہی تھیں ۔

کمرے کا پردہ اٹھا کر نجمہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی وہ راحیل کا اداس چہرہ دیکھ کر گھبرا گئی ...۔

کیا بات تھی بھیا آپ نے مجھے بلایا تھا .... نجمہ نے غور سے راحیل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا ۔"

ان نجمہ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں پہلے مجھے ایک گلاس پانی دیدو راحیل نے سپاٹ لہجہ میں کہا . . . "

" اچھا بھیا ! کہہ کر نجمہ نے صراحی سے پانی انڈیل کر راحیل کو دیا اور خود ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور راحیل کی بات کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی . . . "

" نجمہ ..... ! " تم صوفیہ کو جانتی ہو ۔ جو قریب کے اسکول میں ٹیچر ہیں . . . . . "

جی بھیا ! صوفیہ باجی نے ہائی اسکول اس وقت پاس کیا تھا ۔ جب میں نے آٹھویں کلاس میں تھی میں نے ان سے انگلش پڑھی تھی لیکن آپ ان کو کیسے جانتے ہیں وہ تو بہت غریب ہیں ان کے بھائی بھی ہیں نیز وہ بھی ٹیوشن پڑھاتے ہیں اور بی ، اے میں پڑھتے ہیں میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں ۔ نجمہ اپنی بات ختم کر کے راحیل کے جواب کا انتظار کرنے لگی . . . "

نجمہ .... " کیا دولت سے ہی انسان جانا جاتا ہے اگر کوئی آدمی غریب ہو تو کیا اس کو جاننا بھی شرافت سے گری ہوئی بات ہے ؟"

ہرگز بھی نہیں ۔ غریب آدمی میں امیروں سے زیادہ ہمدردی ہوتی ہے ہمیں غریبوں کا دکھ بانٹنا چاہیے ....

نہ کہ ان سے نفرت کرنی چاہیے ۔ میں چاہتا ہوں کہ صوفیہ اس گھر کی بہو بن کر آ جائے تم میرا یہ پیغام امی جان تک پہنچا دو ....۔

" نجمہ حیرانی سے راحیل کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو جوش جذبات سے سرخ ہو رہا تھا ...."

" بھیا امی جان نے تو آپ کے لئے روحی کا انتخاب کیا ہے اور کل خالہ جان کے ساتھ وہ روحی کے گھر بدایوں جائیں گی ۔ اب اگر میں ان سے آپکی پسند کے بارے میں کہوں گی تو وہ بہت خفا ہوں گی . ..... نجمہ نے راحیل کو ڈراتے ہوئے کہا . . . "

" یہ روحی کس کی لڑکی ہیں . . . ؟ امی نے اس بارے میں مجھ سے تو آج تک کبھی کوئی ذکر نہیں کیا .... راحیل نے تیز نظروں سے نجمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ..."

" یہ پاپا کے ایک گہرے دوست خلیق صاحب کی اکلوتی لڑکی ہیں جہیز میں ٹیلی ویژن ، فرج کے علاوہ بیس ہزار روپے نقد بھی دیں گے ۔ نجمہ نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا ...."

" اوف .. فوہ ... نجمہ ... ! تم ایک پروفیسر کی لڑکی ایک ڈاکٹر کی بہن ہو یا کوئی بھکارن جو پرائی چیزوں پر نظر رکھتی ہو ۔ جاؤ ابھی جا کر امی جان سے کہہ دو کہ میں روحی سے نہیں بلکہ صوفیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیں اور صوفیہ کے گھر جا کر اس کے والدین سے اس کو میرے لئے مانگ لیں راحیل نے کھڑے ہو کر تولیہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے

کہا....

نجمہ برتن لے کر راحیل کے کمرے سے نکل گئی۔ اور کچن میں برتن رکھ کر سیدھی اپنی امی کے کمرے میں پہنچی اور اس کی امی اور خالہ جان ایک ہی پلنگ پر لیٹی ہوئی سرگوشی کے انداز میں باتیں کرنے میں مصروف تھیں..."

" نجمہ نے اپنی امی کے پاس جا کر اپنی اور راحیل کی ساری بات دہرا دی.... اس کی امی نجمہ کی باتیں سن کر اپنے بیٹے کی اس جرأت پر آگ بگولہ ہو گئیں اور چیخنے کے انداز میں بولیں .... اسی لئے تو لے پڑھا لکھا کر اس قابل کیا ہے کہ یہ ایک فقیرنی کو بیاہ کر لائے اور ہمت تو دیکھو مجھے حکم دے رہا ہے کہ اس کنگال کے گھر جا کر سوال کروں ...."

" اگر وہ یہ بات مجھ سے کہتا کہ صوفیہ کو سوحی کی خدمت کے لئے ملازمہ کے طور پر رکھ لو تو ایک بات بھی تھی اور میں اس کی یہ بات مان بھی لیتی ...."

اب تو میں ضرور اس کے حکم پر چلوں گی ؟ کیا مل جائیگا مجھے اس فقیرنی کو بہو بنا کر .... کچھ سنا تم نے تہمینہ؟ راحیل کی امی نے اپنی بہن کو مخاطب کیا..."

"بے شک باجی رشتہ داری اپنی برادری ہی میں کھپ سکتی ہے... بھلا یہ نالی کی اینٹ چوبارے میں کیا سجے گی...،

مخمل میں بھی کبھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے.. کون ہے یہ چھوکری، جس کے راحیل دیوانہ ہوا ہے۔ خالہ جان نے منہ بنا کر پوچھا...؟

" یہ پروفیسر صاحب کی لڑکی، رشتے کی ایک بہن کی لڑکی ہے.... شاہدہ بیگم نے تیوری چڑھا کر کہا...."

" شاہدہ بیگم تیز تیز قدموں سے غصہ میں بھری ہوئی راحیل کے کمرے میں جا پہنچیں...."

راحیل...! " کان کھول کر سن لو.. تمہیں ہماری مرضی پر چلنا ہوگا۔ انہوں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا...."

" کیا بات ہے امی جان....!" راحیل جو کہ مسہری پر لیٹا ہوا کسی رسالے کا مطالعہ کر رہا تھا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا...."

" مجھے پتہ چلا ہے کہ تم صوفیہ سے شادی کرنا چاہتے ہو.... اس کی امی نے حکماً کہا..."

" وہ ... ہاں .... دراصل... بات .... یہ .... ہے .... کہ ... امی جان .... راحیل نے اٹک اٹک کر کہا.... مجھے صوفیہ نہیں بلکہ اس کی غربت سے ہمدردی ہے۔ اگر صوفیہ بھی کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوتی تو اس کے لئے بھی آج لڑکوں کی کمی نہ ہوتی۔ اس کے والدین بھی منہ مانگا جہیز دے کر کوئی اچھا لڑکا خرید سکتے تھے..."

" امی جان! کیا آپ یہ بات پسند نہیں کرتیں کہ سماج میں پھیلے ہوئے اس ناسور کا خاتمہ ہو جائے اب حالت اتنی بدتر ہوتی جا رہی ہے کہ امیر لوگوں کو دیکھ کر غریب لڑکے بھی اونچی جگہ ہاتھ مارنے کی فکر میں رہتے ہیں... راحیل اپنی بات پوری کر کے خاموش ہوا تو اس کی امی نے فیصلہ کن انداز میں کہا..."

" میں صوفیہ سے ہرگز بھی تمہاری شادی نہیں کروں گی یہ میرا قطعی اور آخری فیصلہ ہے ...."

" تو پھر ایسا کیجئے کہ آپ پہلے صوفیہ کی کسی اچھے لڑکے سے شادی کرا دیں .... راحیل نے سوالیہ نظروں سے اپنی امی کی طرف دیکھا..."

" ہاں ... یہ کار ثواب ہے میں اس کے لئے تیار ہوں میں تمہارے پاپا سے کہہ کر اس کے لئے کوئی مناسب لڑکا تلاش کرا کر اس کا خیر کر ضرور کرا دوں گی..."

" لیکن امی جان آپ کو میری ایک شرط ماننی پڑے گی"

" اب تمہاری کیا شرط اٹک گئی۔ شاہدہ بیگم نے

جھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا ....؟

"وہ شرط یہ ہے کہ میں لڑکی سے صرف اس شرط پر شادی کروں گا کہ جہیز نام کی کوئی چیز آپ وہاں سے نہیں لیں گی اور اگر آپ نے میری یہ شرط نہ مانی تو میں ہرگز بھی شادی نہیں کروں گا۔ راحیل نے نہایت متین لہجہ میں کہا...؟

"کیوں ....؟ کیا ہم نے تمہیں اس لئے پڑھایا لکھایا .... پھر اتنے ہزار روپے تمہاری کوچنگ کھلوانے میں لگائے، اسی امید پر کہ خالی لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں۔ اور ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ رہیں۔ اگر تمہیں بھی کچھ نہیں چاہیئے اور ہم بھی کچھ نہ مانگیں تب بھی وہ بغیر مانگے اپنے بیٹے کو بہت کچھ دیں گے۔"

"نہیں امی جان! آپ کل ہی جا کر ان لوگوں کو منع کر دیں، اس لئے کہ غریب لوگ، جن کے جوان بیٹے ہوتے ہیں۔ اور تھوڑا بہت کماتے ہیں وہ کسی امیر گھرانے میں تو شادی کر نہیں سکتے ... چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ پھر وہ اپنے برابر والوں ہی کا خون چوسنا شروع کر دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے سماج میں یہ زہر بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے ...؟

"اچھا بھئی ... ہم ہارے اور تم جیتے ... تم تو اچھے خاصے فلسفی ہو گئے ہو ... اب تم آرام کرو .. یہ کہتی ہوئی شاہدہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں۔

.. جون کی ۱۶ تاریخ تھی گرمی اپنے پورے شباب پر تھی .... گرخ لاج آج رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ پوری کوٹھی مہمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ڈاکٹر راحیل دولہا بنے اپنے بے تکلف دوستوں کے بیچ میں بیٹھے تھے اور دوسری طرف سرفراز اور صوفیہ نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ گئے تھے۔ ہر طرف سے مبارکباد کی دل آفریں صدائیں بلند ہو رہی تھیں ....؟

رخ لاج سے ایک ساتھ دو سجی ہوئی خوشنما کاریں روانہ ہوئیں ... ایک کار میں صوفیہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو رہی تھی جن کی شادی کا سارا انتظام ڈاکٹر راحیل نے خود ہی کیا تھا اور آج اس کو اپنی بہن کی طرح اپنے گھر سے وداع کیا تھا ...... اور دوسری کار میں ڈاکٹر راحیل کی بارات اپنی نئی منزل کو پا لے کر کے لئے روانہ ہوئی ....

.. آج ڈاکٹر راحیل بہت خوش تھے کیونکہ ان کی شرط پوری ہو گئی تھی۔ شادی کا ہر کام نہایت سادگی سے انجام دیا گیا تھا ان کی امی اور پاپا ان کی برابر والی نشست پر بیٹھے تھے اور راحیل کی بہنیں نجمہ عرشیہ، فوزیہ، شازیہ پچھلی نشست پہ بیٹھی آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں ..."

شام کے ڈھلتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں راحیل کے چہرے پر پڑ رہی تھیں ... سورج کی سنہری کرنوں میں راحیل کا سہرا جگمگا اٹھا ... جس کو دیکھ کر راحیل کی بہن عرشیہ نے اپنی سریلی آواز میں سہرے کا ایک شعر پڑھا ؎

"یہ کس کے روئے نگاریں پہ لہرائیں ابھری تصویریں
خوابوں کے جلو میں ہوں جیسے خوابوں کی سنہری تعبیریں
اور فضا میں ایک ساتھ سب بہنوں کے قہقہے گونج اٹھے ...."

عورت اور ایجادیں

(جمیل احمد فراشخانہ)

ایجاد اور اختراع کے سلسلے میں عورت کی دماغی اور فنی قابلیتیں مرد سے کسی طرح کم نہیں ہیں، ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک تمدنی اور معاشی زندگی میں عورت نے مرد کے ساتھ برابر حصہ لیا ہے دور اول جب مرد شکار اور لوٹ مار کی زندگی بسر کرتا تھا تو عورت گھر میں بیٹھ کر آلات ایجاد کیا کرتی تھی اور ان ہی آلات کے ایجاد کی بنیاد پر انسانی ترقی کا باعث ہوتی رہی۔

ابتدا میں مرد شکار کر کے چمڑا لاتا تھا تو عورت اس کے ملبوس تیار کرتی تھی۔ اسی نے اون کو کاتا ملبوس کو دھویا اور درختوں کی شاخوں سے مکان اور مٹی سے برتن بنائے۔

ہل کی ایجاد بھی عورت ہی کے فکر و دماغ کا نتیجہ ہے۔ سوت کاتنے کی صنعت ملکۂ چین کی ایجاد ہے جو ۲۴ صدی قبل مسیح پائی جاتی تھی فن مصوری ایک یونانی عورت نے ایجاد کیا جس کا نام "میرا" تھا۔

عطر گلاب ملکۂ نور جہاں کی ایجاد ہے۔

"لاسلکی" ایک عورت کی اختراع ہے جس کا نام اودوسا تھا۔

کون شخص ہے جو میڈم کیوری کے نام سے ناواقف ہوگا جس نے ریڈیم کی دریافت سے طبیعات کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔

فلسفہ و صفر کی بانی صوفیا جرمان کو کون بھلا سکتا ہے جس کی مہارت علوم ریاضیہ میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ آغانیس مصریہ کا حرکت افلاک کو دیکھ کر صحیح صحیح پیشگوئی کرنا اور تھلی کی مشہور عورت اگلانیس کا کسوف و خسوف کے حالات بتا دینا جب کہ مرد بھی علم الافلاک سے زیادہ واقف نہ تھے کوئی معمولی بات نہیں ہے

اسکندریہ کی مشہور فلاسفر عورت ہیپاتھیا کے علمی کارناموں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں۔ جس نے اسطرلاب ایجاد کیا اور سب سے پہلے علم جبر میں ایک تصنیف ملک کے سامنے پیش کی۔

جرمنی کی تاریخ میں میری کوئیا۔ مارگریٹ کرشن اور میڈم رمکر کو بھی کبھی نہیں بھول سکتے جن کی علمی تصانیف و انکشافات کا ہر شخص کو اعتراف ہے ترکیب اجرام فلکیہ پر سب سے پہلے جس نے کتاب لکھی وہ سر ولیم ہرشل کی بیوی تھی۔

...سوں

ہوئے کہ میں سامنے والی تصویر ... ہوں

اور تاثرات وجذبات دماغ میں منتشر ... چلا
جاتا ہوں لیکن قلم لیا اور ہاتھ کانپا اٹھا ٹہلا بیٹھا
اور پھر سب پھینک پھانک کر ایک لمبی سانس لے کے
کرسی پر گر پڑا۔

بہت دن گذر گئے ہیں کہ میں اسی فکر میں
مستغرق رہا ہوں کہ آخر یہ حسن و محبت جس کے
اثرات کا خلاصہ ہماری ناکامیوں اور کامرانیوں
میں ایک طویل آہ یا اف سے زیادہ نہیں۔ کیوں
اس درجہ ہمارے نظام عصبی پر حکمراں ہے لیکن
سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ حکمراں
ہے اور اس کو حکمراں ہونا چاہیئے۔

تمدن سی متمدن قومیں ہوں یا وحشی سے
وحشی، لیکن ان کے جنس کرخت کو ایک حقیقی الفت
ایک سچی خوشی ایک اصلی تلطف کی ضرورت ہوتی ہے

...قائم کرتا
پہلے اسباب سمجھ لیتا
...جو بلا کسی نمایاں ذریعہ کے
...ف کھینچ لے جو بلا ہمارے علم کے ہم
...وت انجذاب پیدا کر دے جو غیر معلوم طریقہ
سے ہمیں اپنی ناقابل الفہم لذات سے معمور کر دے
جو بلا کسی محبت کے تلطف جو بلا کسی برہان کے
لطف و کرم ہو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی پر راز
شئے کا حال کوئی کیا لکھ سکتا ہے اگر آج کوئی ان
مناظر کو لے کر بیٹھ جائے جن سے اس جولانگاہ
محبت و جمال کا مطالعہ زیادہ قریب سے کیا
جا سکتا ہے تو صرف اک ادنیٰ سے فرد کی واردات
حیات پر غور و تعمق کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنے
کے لئے عمر خضر بھی اک سریع الفنا لحظہ ثابت ہوگا
وہ تھک جائے گا اظہار عجز کر دے گا اور گو اس
کا فیصلہ بھی ہوگا کہ عورت اک لذت ہے مجسم
ایک تسکین ہے متشکل، ایک سحر ہے مرئی ایک نور
ہے مادی لیکن اس سے سوال کرو کہ کیوں؟ اور
تحیر میں مٹ جانے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دو۔

پھر جو میں نے قدرت خداوندی کے اس
جاذب ترین نمونہ کا ان کو اپنے مضمون کا عنوان

خدا معلوم اس سے قبل کتنی بار ارادہ کیا کہ خدا کی اس محترم ترین مخلوق پر کچھ لکھوں لیکن سوائے اس کے جب تک ایسا خیال قائم رہا ایک خاص نوع کا لطف تو ضرور اٹھاتا رہا یہ ہمت کبھی نہ ہوئی کہ کچھ لکھتا اور لکھتا کیا خاک! مضبوط سے مضبوط ارادہ محکم خیال لے کر میز کے پاس آیا لیکن عزم نا استوار استقلال مضمحل اور دماغ بے کار ثابت ہوا گھنٹوں ہو گئے کہ میں سامنے دالی تصویر کو [illegible] اور تاثرات و جذبات دماغ میں منتقوش [illegible] چلا جاتا ہوں لیکن قلم لیا اور ہاتھ کانپا اٹھا ٹہلا بیٹھا اور پھر سب پھینک پھانک کر ایک لمبی سانس لے کے کرسی پر گر پڑا۔

بہت دن گذر گئے ہیں کہ میں اسی فکر میں مستغرق رہا ہوں کہ آخر یہ حسن و محبت جس کے اثرات کا خلاصہ ہماری ناکامیوں اور کامرانیوں میں ایک طویل آہ یا اف سے زیادہ نہیں۔ کیوں اس درجہ ہمارے نظام عصبی پر حکمراں ہے لیکن سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ حکمران ہے اور اس کو حکمراں ہونا چاہیئے۔

متمدن سی متمدن قومیں ہوں یا وحشی سے وحشی، لیکن ان کے جنس کرخت کو ایک حقیقی الفت ایک سچی خوشی ایک اصلی تلطف کی ضرورت ہوتی ہے

تو ہمیشہ عورت کا نازک سینہ تلاش کیا جاتا ہے لیکن کیا پہلے اس تلاش کے لئے کوئی دلائل قائم کرتا ہے؟ کیا کوئی اس جستجو کے پہلے اسباب سمجھ لیتا ہے؟ کوئی نہیں پھر جو بلا کسی نمایاں ذریعہ کے ہم کو اپنی طرف کھینچ لے جو بلا ہمارے علم کے ہم میں قوت انجذاب پیدا کر دے جو غیر معلوم طریقہ سے ہمیں اپنی ناقابل الفہم لذات سے معمور کر دے جو بلا کسی محبت کے تلطف جو بلا کسی برہان کے لطف و کرم ہو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی پر راز شئے کا حال کوئی کیا لکھ سکتا ہے اگر آج کوئی ان مثالوں کو لے کر بیٹھ جائے جن سے اس جولانگاہ محبت و جمال کا مطالعہ زیادہ قریب سے کیا جا سکتا ہے تو صرف اک ادنیٰ سے فرد کی واردات حیات پر غور و تعمق کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے عمر خضر بھی اک سریع الفنا لمحہ ثابت ہو گا وہ تھک جائے گا اظہار عجز کر دے گا اور گو اس کا فیصلہ یہی ہو گا کہ عورت اک لذت ہے مجسم ایک تسکین ہے متشکل، ایک سحر ہے صرف ایک لذت ہے مادی لیکن اس سے سوال کرو کہ کیوں؟ اور تحیر میں مٹ جانے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دو۔

پھر جو میں نے قدرت خداوندی کے اس جاذب ترین نمونۂ کمال کو اپنے مضمون کا عنوان

بنایا ہے تو اس سے یہ مقصود نہیں کہ میں کسی کی دلیل
سے اس کا دلیا ہونا ثابت کروں گا کیوں آفتاب
روز صبح کو نکلتا ہے اور اس کے طلوع کا اعلان کسی
دلیل کا محتاج نہیں، چاند ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور
وہ تمام حجتوں سے بے نیاز ہے صبح ہوتی ہے چڑیوں
کو کوئی نہیں سمجھاتا کہ تمہیں اس سبب سے نغمہ
سرائی کرنا چاہیئے مگر ہاں سرکار حسن کے سامنے
اپنی بے چارگی کا اعتراف اپنی بے مائگی کا اقرار
میری عین خواہش ہے

اک قوم آگ کو پوجتی ہے آفتاب کے سامنے
سر جھکا دیتی ہے ممکن ہے کہ کسی مذہب میں یہ فعل
ممنوع ہو لیکن میری رائے میں یہ اظہار ممنت
کشی ہے جس سے بہتر طریقہ التفات ضیا کی شکر گذاری
کا اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لیئے آپ اس مضمون
میں نہ تو علم النفس کی بحث کہیں پائیں گے اور
نہ فزیالوجی کی کیوں کہ یہ بات میرے بس کی نہیں کہ
میں عورت کے نظام عصبی، عضلات کی ترکیب
یا دماغ کی ساخت کا ذکر کر کے اس کی تحقیر کروں
بلکہ یہ تو بینات محبت ہیں حکایات پرستاری
ہیں اعترافات ندامت ہیں اس کے حضور میں
جس کا التفات بھی میرے لئے عین الطاف جس
کا تغافل بھی میرے لئے ایک دنیائے توجہ جس کی
فراموش کاری بھی میرے لئے اک حیات بخش
پیمان ہے اور جس کا صرف عورت ہونا ہی میری
ساری قوتوں کو اپنا طرفدار بنا لینے والا، مجھ کو
مجھ سے چھین لینے والا ہے۔

رات دن کو خلوت میں بارہا میں نے اس
امر کی کوشش کی کہ میں حسن عورت سے جدا دیکھ
سکوں کوئی صورت ایسی فرض کر سکوں جس سے
علیحدہ اس کا نظارہ ہو سکے لیکن سوائے اس کے
سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ انسانیت ہی نام ہے حسن
کا اور جو چیز دنیا میں حسن کا مکمل نمونہ پیش کرتی
ہے وہ انسانیت سے خارج نہیں ہے یہاں
تک کہ میں فرط استغراق میں ہر ذرہ کو اس کے پرتو
سے رنگین پاتا ہوں۔ آپ غالباً مجھے دیوانہ سمجھیں گے
اگر میں یہ بتاؤں کہ مجھے ایک کلی کیوں اچھی معلوم
ہوتی ہے ایک پھول کی خوشبو سے میں کیوں مست
ہو جاتا ہوں؟ شفق کی رنگینی کیوں دل میں کھب
کر رہ جاتی ہے؟ یہ نیلگوں آسمان کیوں دل میں
سما کر رہ جاتا ہے یہ موجوں کا لوچ مجھے کیوں وارفتہ
بنا دیتا ہے شاخ جھکی ہوئی کیوں بھلی لگتی ہے۔
بہ نسبت پورے چاند کے ہلال میں کیوں زیادہ
کشش ہے حتی کہ مذاق طبیعت کی یہ خاص حد کہ
مستقیم خطوط کے بجائے منحرف لکیریں ایک سیدھے
راستے کے بجائے پر پیچ و خم سڑک زیادہ اچھی معلوم
ہوتی ہے کسی چشمہ کی روانی میں جا بجا بل پڑتے
ہوں تو میں گھنٹوں اسے دیکھتا رہتا ہوں گاڑی
جب سڑک کے موڑ پر گھومتی ہے تو میرے لئے
جاذب نظر ہوتی ہے قینچی پر آ کر جب ریل میں اک
خم پیدا ہو جاتا ہے تو میں پھڑک جاتا ہوں۔ یہ
سب کیا ہے؟ آپ یقین نہ کریں گے لیکن میں
آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی چیز
میرے دل کو دھڑکا دینے والی نہیں الا جب کہ اس
میں انسانیت ہو اور جب اس عالم کی کسی مادی یا غیر

مادی شئے کو دیکھ کر میرا کلیجہ ملنے لگتا ہے تو میں
اس میں ایک قسم کی نسائیت محسوس کرتا ہوں۔
میں نے اسی ضمن میں اس پر بھی کامل غور
کیا کہ ایک عورت اس وجہ سے دل کش ہے کہ اس کے
خدوخال نازک اس کی آنکھیں بڑی، اس کا رنگ
صاف، اس کی کمر نازک اس کے بال سیاہ طویل
ہیں؟ ممکن ہے کہ یہ سب باتیں مل کر اس میں
دل کشی پیدا کرتی ہوں، لیکن میں تو سوائے اس
کے اور کچھ نہیں سمجھ سکا کہ عورت ہے اور بلا کسی
سبب کے وہ سب کچھ ہے۔ میں نے یہ بھی خیال
ظاہر کیا کہ شاید وہ از روئے علم النفس اس وجہ
سے ہم میں انجذاب و شوق پیدا کر دیتی ہے
کہ ہمیں دیکھ کر وہ فطرتاً چھپ جانے، سمٹ جانے
بدن چرا لینے پر مجبور ہے اس میں ایک خاص قسم
کا استغنا و غرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان
اصولوں سے بالا ان قوائے دماغی کے تقاضائے
ادراک سے بھی بہت ارفع و اعلیٰ نظر آئی اور جملہ
اصول مادیات جملہ استدلالات علمی بے کار محض
ثابت ہوئے۔

مدتیں گذر گئیں زمانہ ہو گیا اور یہ راز
بدستور سربستہ رہا ایک شب عزیز اور اس کی
بیوی اپنے کمرے میں تھے میں گیا تھا اس نے
پاندان مانگا۔ عزیز نے سرکا دیا۔ اس نے کھولا،
دیکھا اور پھر بند کر کے رکھ دیا۔ عزیز نے پوچھا۔
کیوں نہیں کھایا جواب ملا، پان ایک ہی تھا پھر
تمہیں تکلیف ہوتی، جیسے کوئی نگاہوں کے
سامنے سے پردہ اٹھا دے ایک عجیب کیفیت مجھ پر
طاری ہو گئی، میری روح اس ایثار محبت سے کانپنے
لگی اور میں ایک ایسا غلبہ روحانیت اپنے اندر محسوس
کرنے لگا کہ اس وقت مجھے ذرہ ذرہ درد محبت
سے بیتاب نظر آتا تھا۔

ایک واقعہ اور — آدھی رات سے زیادہ وقت
گذر گیا، لیکن ایک نازک دل والی ذرا سے خوف یا
اندھیرے میں کانپ اٹھنے والی تنہائی میں بیٹھی ہوئی
انتظار کر رہی ہے جی ہی جی میں بگڑ رہی ہے مگر ادھر
کوئی آتا ہے اور ادھر یہ سارے گلے شکوے بھول
بیٹھتی ہے اور اپنے حد انتظار کے اس منظر سے
مسرور ہے کہ شوہر بگڑ بگڑ کر کہہ رہا ہے کہ آخر تم
نے کیوں نہ کھانا کھا لیا اور وہ ہے کہ ایک لفظ
اس کے منہ سے نہیں نکلتا دنیا میں کوئی مثال اس
سے زیادہ درس انسانیت دینے والی اس سے
زیادہ حقیقی کیمیائیت روح مہیا کرنے والی اگر کوئی
ہے تو افسوس ہے کہ دنیا اسے نہیں پیش کر سکتی۔

یہ محبت کی خاموش صدا! آہ فرشتے اس نغمہ
روا داری کو ہمک کر لینا چاہتے ہیں یہ نرمی ملاطفت
آہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم اس سکون کے لئے تڑپ
رہا ہے بچہ بیقرار ہے رو رہا ہے ماں آغوش میں
بھینچ بھینچ کر سینہ سے لپٹا لپٹا کے منہ چوم چوم کے
اپنی ساری قوت محبت سے اسے چپ کرنا چاہتی ہے
یہ انہماک محبت یہ استغراق شفقت دنیا کی کسی
مخلوق میں دکھا دو اماں ہلا ہلا کر اپنی رفعت کی پوری
توجہ کے ساتھ پوری معصومیت کے ساتھ لوریاں
سنا رہی ہے آہستہ آہستہ تھپکیاں دے رہی ہے
آہ! آپ محسوس نہ کریں لیکن میں تو اس وقت

بمبئی سینٹر سے لیکر جہاز تک
الحاج رشید احمد
حج کمیٹی رجسٹرڈ مزدور ۱۷۷
ALHAJ RASHID AHMED
KISMAT MANZIL, ROOM No.
BABLU RANGARI STREET, BOMBAY
Haj Committee Regd Mazdoor No. 177
کی خدمات حاصل کیجئے

دنیا کا ذرہ ذرہ ایک غنودگی پیدا کرتا ہے اب، ہم جولان ہو کر اس رحم کی مقدس دیوی کو بھول گئے یہاں تک کہ اب ایک ننھے سے روتے ہوئے بچے کو بمشکل سے یقین کر سکتے ہیں کہ کبھی ہم بھی ایسے رہے ہوں گے لیکن یاد رکھو کہ یہ واقعات ہیں۔ ہمارے دلوں سے مٹنے کو مٹ جائیں گے لیکن ساری فضائے عالم ان کی شاہد ہے آسمان و زمین کے صفحات ان تذکروں سے مالا مال ہیں حوریں نہیں گا گا کر عدن میں سکون پھیلا رہی ہیں کیا تم بھول گئے کہ تمہاری عمر کے ہر ہر لحظ میں کتنی نورانی تسلیات مرکوز ہیں کتنے مقدس جذبات صرف ہوئے ہیں کیا تم ان احساسات کی وقعت نہیں کرتے؟ ادھر آ کر میری نگاہ سے دیکھو آسمان و زمین کانپ رہے ہیں، عرش لرز رہا ہے دنیا تھرا رہی ہے۔

اے ناشکر گذار کیڑے! تیرے مٹا دینے کے لئے کسی بہانہ کی ضرورت نہیں، مگر وہ سینہ جس کو تو اپنے کفران نعمت سے مجروح کر چکا ہے اب بھی بددعا دینے کے لئے تیار نہیں وہ ہونٹ جو تیری بے رحمیاں تیری بے اعتنائیاں دیکھ دیکھ کر فرط گریہ سے کانپ رہے ہیں اب بھی گیتی کی ساری نعمتیں تیرے لئے طلب کر رہے ہیں۔

ہمارے جذبات محبت کس درجہ ناقص ہیں تاثرات کا ضبط گو چنداں مشکل نہ ہو، لیکن آنسو کا ڈھل آنا محبت والی آنکھوں کے اختیار سے باہر ہے دنیا جانتی ہے کہ عورت مصائب برداشت کرنے تکالیف کا مقابلہ کرنے کی اہل اسی وقت سے ہے جب وہ ایک فانی بچہ جنتی ہے اس اولیت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ محنت و مشقت سے ہاتھ میں پڑ جانے والے چھالوں کو بھی اپنے شوہر سے چھپاتی ہے، محنتیں کرتی ہے اور کوئی اجر نہیں چاہتی لیکن بے اختیار کبھی کسی مرد کے غیر معترفانہ طریق عمل سے متاثر ہو کر اس کا رو دینا اک آنسو آستین یا دامن میں ٹپکا دینا اک غیر متزلزل ثبوت اس کے کمال محبت کا ہے جس سے مرد آشنا نہیں جس طرح عورت اپنے جذبات کو خاموشی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے مدفون کر سکتی ہے اس طرح وہ اس طوفان گداز کو جو اس کے سینہ میں متلاطم ہے صرف ایک آنسو میں منتقل کر کے دکھا سکتی ہے لیکن کتنے ہیں جو اس آنسو کی وسعت اس مختصر سمندر کے حقیقی بسط سے واقف ہیں محبت جس پر آفرینش ناز کر سکتی ہے اک ایسا دل ڈھونڈتی ہے جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جانے والا ہے ایسی آنکھوں میں رہنا چاہتی ہے جو ذرا سی بات میں پرنم ہو جانے والی ہوں پھر اے مردو۔ اپنے دلوں کی مضبوطی پر دل دکھاؤ، اپنی آنکھوں کی خشکی پر آنسو بہاؤ، کیوں کہ محبت جس وقت راتوں کو دروازہ کھٹکھٹاتی ہے کوئی آرام کی جگہ تلاش کرتی ہے تو اے مرد تو اس وقت اپنے نشۂ قوت میں غافل سوتا ہوتا ہے عورت جو تجھے پنکھا جھلتی رہتی ہے جو کھڑے ہو کر اپنے بچے کو سلاتی رہتی ہے دروازہ کھول دیتی ہے اور اسے اپنے سینے میں چھپا لیتی ہے بچہ روتا ہے وہ

بقیہ عورت صفحہ

اس محبت کو اپنے ہونٹوں سے بچے کے اندر منتقل کرتی ہے وہ سوجاتا ہے۔

ہم کشاکش زندگی سے پریشان ہو کر پڑ جاتے ہیں وہ محبت سے ہماری خستگی کو سلب کر لیتی ہے ہم مسرور ہو جاتے ہیں کیوں؟ ہماری روحیں پیاسی ایک روحانی شفقت چاہتی ہیں ایک ملکوتی نرمی کی طلبگار ہیں اور اس لئے یہ مبہم جستجوئیں آخر کار اس طرف پہنچ جاتی ہیں جدھر انہیں پہنچ جانا چاہیئے کیونکہ عورت ایک روحانیت ہے قابل لمس لذت ہے صاحب نطق ایک روشنی ہے جسے ہم چھو سکتے ہیں ایک نکہت ہے جس سے ہم گفتگو کر سکتے ہیں، ایک حلاوت ہے جو ہاتھوں سے چکھی جا سکتی ہے، ایک موسیقی ہے جو آنکھوں سے سنی جاتی ہے۔

روزہ

روحانی سکون پہنچاتا ہے یہ صحت کے لئے بہترین علاج بھی ہے

روزہ رکھنا ہر بالغ مرد و عورت پر فرض ہے

رمضان کے مبارک مہینے میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا اس لئے زیادہ سے زیادہ تلاوت کیجیے

ہلالِ نو

کلام ...

شکوہ کا ہے نہ حال سنانے کا وقت ہے
ماضی کی تلخیوں کو بھلانے کا وقت ہے
فکر و عمل کو کام میں لانے کا وقت ہے
مستقبل حیات بنانے کا وقت ہے

ہر چند راہ زیست ہے پرپیچ و پرخطر
تو اپنے قافلے سے بچھڑنے کا غم نہ کر
عزم و یقین رہیں گے اگر تیرے ہم سفر
خود ہی ملے گی منزل مقصود کی خبر

ہم تو سمجھ رہے تھے مصیبت کے دن گئے
معلوم یہ ہوا کہ شرافت کے دن گئے
دور غرض ہے لطف و عنایت کے دن گئے
اخلاص و التفات و محبت کے دن گئے

قانون کا ہے پاس نہ خوف خطا رہا
انسان میں اب نہ جذبۂ مہر و وفا رہا
کردار اور نہ جوہر شرم و حیا رہا
اندیشۂ فساد مگر جا بجا رہا

اے نجم چھوڑیئے نہ کبھی دامن امید
ممکن ہے آ ہی جائے کوئی ساعت سعید
اٹھ جائے ذہن و قلب سے بار غم شدید
ہر شب شب برات ہو ہر روز روز عید

گھریلو ماحول کا انتشار

محمد سعید

زندگی کے کاروبار اتنے پیچیدہ اور اتنے پُراسرار ہیں کہ انہیں ایک نظر میں سمجھ لینا تقریباً ناممکن ہے تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زندگی اسباب و علل کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ ان اسباب کو اگر سمجھ لیا جائے تو زندگی کی بہت سی گتھیاں از خود حل ہو جائیں۔ مگر اسباب کا کھوج لگانا آسان کام نہیں ہے۔ موجودہ دور میں ہر شخص پُرمسرت زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں طمانیت اور سکون عنقا ہے۔ ہم زندگی کو جتنا شاداب اور شگفتہ بنانے کے لئے بڑی بڑی اسکیمیں بناتے ہیں اتنا ہی ہم مسرتوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ اب یہ سوال ہر ذی فہم کے دماغ میں ابھر رہا ہے۔

یورپ جہاں زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے نت نئے تجربات کئے گئے تھے وہاں کے دانشور اب ان تجربات کے نتائج سے بوکھلا اٹھے ہیں۔ انہوں نے "نئی زندگی" کے خاکے میں گھر کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا تھا۔ آج کے ماہرین نفسیات برسوں کے مطالعے اور مشاہدے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسانی مسرتوں کا اصل مقام گھر ہے گھر ہی سے حقیقی مسرتوں کے سوتے پھوٹتے ہیں اور اسی جگہ سے منفی جذبات بھی پرورش پاتے ہیں جو آگے چل کر پورے خاندان کی زندگی کو وبال بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

ہماری زندگی کی اکثر الجھنیں گھریلو ماحول کے انتشار سے پیدا ہوتی ہیں جب گھر کے تمام افراد بالخصوص والدین اپنے فرائض اور ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا نہیں کرتے تو پورے خاندان کے افراد غیر متوازن زندگی کا شکار ہو جاتے ہیں والدین کا رویہ بچوں میں منفی جذبات پیدا کرتا ہے۔ اور یہ جذبات پوری زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ والدین اپنے غیر محتاط رویے سے بعض اوقات اپنے پیارے بچوں کو بیماریوں کے جہنم میں دھکیل دیتے ہیں اور روپیہ پانی کی طرح بہانے کے باوجود ان کی صحت بحال نہیں ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے خود قاتل ہوتے ہیں۔ خاندان کے مختلف افراد میں منفی جذبات کیوں پیدا ہوتے ہیں اگر ان پر ذرا سی توجہ دی جائے تو بہت سے افراد کی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ سکتی ہیں۔

گھر کیا ہے؟ کیا اس کے ماحول کو تعلیمی اور تربیتی اہمیت حاصل ہے؟ موجودہ دور میں گھریلو نظام کیسے چل رہا ہے؟ ان سوالات کی طرف ماہرین نفسیات نے پرزور الفاظ میں ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کیونکہ معاشرہ جن خرابیوں اور بیماریوں میں جنگل کی آگ کی طرح جس تیز رفتاری سے مبتلا ہو رہا ہے ان کا واحد سبب گھریلو ماحول کی ابتری اور پراگندگی ہے۔ ماہرین نفسیات کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک فرد کی تربیت پر سب سے اہم اور ناگزیر اثر گھریلو ماحول ڈالتا ہے اسے اپنے لڑکپن کا زمانہ عالم بے بسی میں گھر میں ہی گزارنا ہوتا ہے۔ اسی عرصہ میں جو ضبط و نظم اس پر عائد کئے جاتے ہیں اسی پر اس کے انداز فکر شخصیتی رجحان اور طرز زندگی کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ گھریلو بے تعلق رہتے ہیں۔ ان حالات میں خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے جب ایک بچہ ان حالات سے دوچار ہو تو اس کی شخصیت کی نشوونما رک جاتی ہے۔ اس کی زندگی خشک اور بے مزہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اس کے لئے بے راہ روی کے راستے کھل جاتے ہیں۔

ان مشاہدات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ منفی جذبات کی وجہ سے معاشرہ کن کن خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ چند خوش نصیب گھرانوں کو چھوڑ کر باقی

[illegible]

سب کا [illegible]
رہتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ ہمارے گھر میں جذباتی توازن ہو اور یہ ایک تعلیمی اور تربیتی ادارے کی حیثیت اختیار کر جائے تو سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم خود بھی پُرسکون اور خوشگوار بننے کی کوشش کریں اور دوسروں کی مدد کریں کہ وہ بھی پُرسکون زندگی بسر کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے چند باتیں خیال میں رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

دنیا میں معیارِ زندگی بلند ہوتا جا رہا ہے۔ ہر طرف جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے تگ و دو ہو رہی ہے سر بہ فلک عمارتیں، بیش قیمت فرنیچر، قیمتی ملبوسات ٹیلی ویژن، ریڈیو سیٹ، کیمرے اور سامانِ تعیش زندگی کے لوازم قرار پا چکے ہیں۔ ہر شخص ان کے حصول میں سرگرداں ہے۔ اس سرگردانی نے انسانی ذہن کی آسودگی چھین لی ہے اور ہر سو اضطراب کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ معیارِ زندگی کے دلدل سے نجات پانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے زندگی سے لطف اندوز ہونے کا فن سیکھا جائے اس فن کا پہلا اصول یہ ہے کہ زندگی کا معیار اونچا کرنے کی خواہش کو زیادہ تقویت نہ پہنچائی جائے۔ آپ اپنے وسائل پر قناعت کیجئے قناعت آپ کو سکون کی وہ دولت عطا کرے گی جو آپ کو کہیں اور کسی سے نہیں مل سکتی۔

بچوں میں سمجھ بوجھ پیدا ہوتے ہی انھیں یہ بات اچھی طرح سمجھا دی جائے کہ خاندان کا ایک ایک فرد اپنی اپنی ذمہ داریوں کا پورا شعور رکھے۔ ایک دوسرے کے جذبات کا پورا احترام کرنے سے صحیح قسم کا توازن اور انضباط پیدا ہوتا ہے اس کام کا آغاز والدین کی طرف سے ہونا چاہئے کیونکہ بچے زبانی باتوں کے بجائے عملی زندگی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں گھریلو ماحول اگر دکھ کے معاشرے اور اس کے اثرات سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ ایک خاندان دوسرے خاندان سے اس طرح

[illegible]

جس طرح گھریلو ماحول میں ایک فرد پر کچھ ذمہ داریاں اور پابندیاں عائد ہوتی ہیں یہ پابندیاں اور ذمہ داریاں ایک بچے کی شخصیت اور اس کی ترقی میں بنیادی پتھر کا حکم رکھتی ہے۔ ان کے اثرات سے بچہ خود غرضانہ حرکات سے نجات پا سکتا ہے۔ اگر ہم ان ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیں اور انسانی بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنے سے گریز کریں تو ہم تمام زندگی میں اپنے تنگ جذبات کے جوہڑ میں سڑ سڑ کر مر جائیں گے اس لئے بچوں کو انسانی خدمات اور محبت کا مال اس زبردست اثر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مشاہدہ کر کے سخت افسوس ہوتا ہے کہ اکثر خاندان اپنے کارِ منصبی کو بھول چکے ہیں اور اس بے پرواہی کی بدولت تباہی اور بربادی کو دعوت دے رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ہسپتال مریضوں سے کھچا کھچ بھرے رہتے ہیں ماہرین نفسیات و طب کے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان میں سے ۹۹ فیصد مریضوں کے امراض کا سبب وہ منفی جذبات ہیں جو پراگندہ گھریلو ماحول میں متعدی مرض کی طرح اربابِ خاندان سے دوسرے افراد کو لگتے ہیں۔ بعض گھروں کے ماحول کا مشاہدہ کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہاں خوشی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ ہر فرد کے چہرے پر مردنی اور بے رونقی جھلکتی ہے۔ ایسا ماحول جذباتی کھنچاؤ اور اس سے پیدا ہونے والی متعدد بیماریوں کو جنم دیتا ہے اگر گھر کے کسی بچے کی طرف سے پکنک پر جانے کی تجویز آتی ہے تو والد یا والدہ طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں۔ والدہ کہتی ہے چھوڑو۔ پکنک کے خیال کو اگر پکنک پر گئے اور بارش آ گئی تو سارا مزہ کرکرا ہو جائیگا بعض اوقات یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم پڑھتے پڑھاتے تو ہو نہیں اور جب دیکھو تمہیں سیر و تفریح کی سوجھتی ہے وہ بچہ اس قسم کے جوابات سن کر خاموش ہو جاتا ہے اور اس میں مردہ دلی او

بچے نافرمان کیوں ہوتے ہیں

محمد قاسم پاکی دہلی

ارشادِ رسول اکرمؐ ہے کہ عمدہ تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں ہے جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے
انگریزی کا ایک مقولہ ہے جو ہاتھ پالنے کو ہلاتے ہیں وہی قوموں کی تشکیل کرتے ہیں یعنی ماں ہی کی ہستی ہے جو اولاد کو بنا بھی سکتی ہے اور بگاڑ بھی سکتی ہے
ہمارا معاشرہ انتہائی طور پر ناخواندگی کا شکار ہے اور مردوں کی بہ نسبت ناخواندہ عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے

تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے وہ بچوں کی صحیح تربیت کرنے کے طریقوں سے بالکل ناواقف ہوتی ہیں۔ والدین کو کم از کم بچوں کی نفسیات کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو ہونی ہی چاہیے کہ کس وقت کن حالات میں اُن کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے۔

بچہ اگر کوئی کام کرتا ہے اور غلط طریقہ اپناتا ہے تو صحیح طریقے کی طرف اس کی رہنمائی کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ فوراً ڈانٹ دیا جھڑک دیا اور اس کی پٹائی کر دی اس طرزِ عمل سے بچہ اس کام کا طریقہ معلوم کرنے کے بجائے ضد کی وجہ سے اسی غلط طریقے پر اس کو بار بار کرتا ہے۔ اولاد کے ساتھ سختی برتی جائے لیکن مناسب موقع پر نہ تو ہر وقت لاڈ پیار کرنا درست ہے اور نہ ہی مار پیٹ کرنا۔

یا پھر اقتصادی بد حالی کی وجہ سے وہ دن بھر گھر گرہستی کے ہر قسم کے کاموں میں اس قدر گھری رہتی ہے کہ اس کو اپنے آپ کا بھی ہوش نہیں ہوتا تو وہ بچوں کی خبر گیری کیوں کر کر سکتی ہے۔ بچوں کی تربیت میں ماں کی کمزوریاں ہی ذمہ دار نہیں بلکہ اقتصادی حالات کا بھی بہت اہم کردار ہے۔

باپ دن بھر حصولِ معاش میں سرگرداں رہتا ہے دن بھر فائلوں میں سر کھپاتا ہے، رکشا چلاتا ہے جیلی ڈھوتا ہے اور جب شام کو گھر واپس آتا ہے تو بہت تھکا ہارا ہوتا ہے۔ بس کھانا کھایا اور سو گیا دیکھ بھال کی اس کو فرصت ہی کہاں دن بھر چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پستے پستے اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر جھنجھلاتا ہے طبیعت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا، غصہ بہت جلد آ جاتا ہے، بچہ اگر کوئی ضد یا شرارت کرتا ہے تو وہ فوراً اس پر برس پڑتا ہے اور دو چار چپت رسید کر دیتا ہے۔ دن بھر کی محنت کے بعد تھکی ماندی ماں بھی کچھ اس قسم کا برتاؤ کرتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پہ ان کو سمجھانے کے بجائے ہر وقت سرزنش ہوتی ہے ہر وقت کی اس ڈانٹ ڈپٹ سے بچہ ڈھیٹ ہو جاتا ہے اور وہ اب کوئی غلطی کرتے وقت جھجک محسوس نہیں کرتا کیونکہ وہ دو چار چپت سہنے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

ماں اور باپ دونوں کی طرف سے پیار کے فقدان ہونے کی بدولت بچے کی طبیعت باغی ہو جاتی ہے اور وہ اب ہر معاملہ کو باغیانہ انداز سے سوچنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

اس اقتصادی پس ماندگی کی وجہ سے چھوٹے

بچوں کو جب کی عمر اسکول جانے کی ہوتی ہے مختلف قسم کے کاموں پر لگا دیا جاتا ہے۔ اور وہ عمر کے اس نازک حصے کو اپنی زندگی بنانے میں صرف کرنے کے بدلے ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر اس عمر میں ان کو صحیح تربیت اور تعلیم ملے تو ان میں سے ڈاکٹر ذاکر حسین، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ، پنڈت نہرو، علامہ اقبال اور کرشن چندر پیدا ہوتے ہیں اور اگر ان کی اس عمر کو ضائع کر دیا جائے تو ان ہی میں سے بڑے بڑے رہزن اور ڈاکو پیدا ہو جاتے ہیں۔

جب بچے کے دماغ میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر باپ بیس روپے روز کما کر لاتا ہے تو میں بھی دو روپے روز کما کر لاتا ہوں۔ اب وہ ذرا بھی ڈانٹ برداشت نہیں کرتا خواہ باپ یا ماں اس کو صحیح تنبیہ کر رہے ہوں۔ مگر وہ اس کو دشمنی تصور کرتا ہے بچہ اگر اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے تو بھی باپ کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ اس کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لے سکے اس مشینی دور میں اس کو بھی بالکل مشین کی مانند دن رات کے معمولات کو وضع کرنا ہوتا ہے۔ بچہ کو جب کسی پریشانی میں ماں باپ کی طرف سے پشت پناہی یا رہنمائی نہیں ملتی تو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یہ مشورہ یقیناً خام عقلی اور ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہوتا ہے اس لئے اکثر غلط ہوتا ہے۔

جبکہ ماں باپ کا مشورہ یا حکم ان کی اب تک کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے لیکن بچہ اس کو سمجھ نہیں سکتا اور اس کے خیالات باغی ہو جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کے مطابق اولاد اپنے بارے میں زیادہ اچھی طرح سوچ سکتی ہے اور فیصلہ کر سکتی ہے یہ فیصلہ والدین بھی سمجھ رہے ہیں کہ صحیح ہے لیکن دوسرے لوگوں کے کہنے میں آ کر ان کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ان بچوں کی بھلائی نہیں چاہتے۔ اور اپنی جادو بیانی اور شیریں کلامی سے لڑکے کے والدین کو ان کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔

یہ سب وجوہ زیادہ تر ناخواندگی کا ثمرہ ہیں اگر والدین تعلیم یافتہ ہوں تو وہ بچپن ہی سے ایسی تربیت کریں کہ بچہ کسی کام کو "نہیں" کہنے کی ہمت اپنے اندر نہ پائے اور والدین کے حکم کو فوراً قبول کرلے

شرائط = جو طالب علم مندرجہ ذیل کے تمام سوالات کے جوابات بالکل صحیح بھیجے گا ادارہ ایک اچھا سا لطیفہ سے ادارہ پندرہویں صدی انعام میں ایک ڈکشنری یا پین دے گا!۔

:کوئز نمبر ۱:

۱۔ انٹرنیشنل کرکٹ کانفرنس میں کن ملکوں کو ویٹو پاور حاصل ہے؟

۲۔ مسلمانوں نے پہلا کاغذ کا کارخانہ کہاں قائم کیا تھا؟

۳۔ زمین کا رقبہ کتنے مربع میل ہے

۴۔ سورج سے زمین تک روشنی کتنے وقت میں آتی ہے؟

۵۔ اعشاری نظام کا موجد کون تھا؟

۶۔ پھولوں میں سب سے زیادہ چمکدار پھول کون سا ہے؟

۷۔ اسلام کے بانی کون تھے۔ وہ کہاں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد کا نام بھی بتائیے؟

۸۔ دنیا میں کل کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟

۱۰۔ ماہنامہ پندرہویں صدی کے مقاصد لکھئے؟

از جناب معین الدین صاحب:

اردو کی تدریس کے مسائل

اردو کی تدریس کے طریقے دوسری زبانوں کی تدریس کے طریقوں سے مختلف تو نہیں ہیں لیکن ان کے مسائل یقیناً دوسری زبانوں کے مسائل سے مختلف ہیں اس لئے کہ ان مسائل کا تعلق ان سماجی اور اقتصادی پہلوؤں سے ہے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ارد گرد اردو کی تدریس پر اثر انداز ہوتے ہیں ان اثرات کو نظر انداز کر کے مسائل کی تہہ تک پہونچنا بہت مشکل ہے پھر یہ کہ مسائل یکساں نوعیت نہیں رکھتے ملک کی ہر ایک ریاست ایک مخصوص تہذیبی ورثے کی امین ہے مزید براں تعلیم کی الگ الگ منزلوں پر ان کے مسائل مختلف ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی نوعیت ثانوی تعلیم کی اعلیٰ تعلیم سے مختلف ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ توجہ ثانوی منزل کی طرف درکار ہے کیونکہ سب سے زیادہ کمزوری اور نزاکت اس منزل پر نظر آتی ہے میرے اس مضمون کا تعلق اس منزل سے ہے میں نے صرف ثانوی سطح پر اردو کی تدریس کے مسائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ثانوی تعلیم ہر ملک اور قوم کی زندگی میں ایک مخصوص اہمیت رکھتی ہے ملک کی استقامت کا بہت کچھ دار و مدار ثانوی منزل کی پائیداری پر منحصر ہے اس لئے کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارکنوں کی ایک کثیر تعداد ثانوی منزل سے فراہم کی جاتی ہے اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں بھی توانائی انہیں کے دم سے آتی ہے بدقسمتی سے ہمارے ملک کے تعلیمی ڈھانچے کی سب سے کمزور کڑی یہی ہے اور اس کمزور کڑی میں اردو کی حالت کچھ اور بھی ناپائیدار اور غیر یقینی ہے۔

اردو کے حق میں تمام نامساعد حالات کے باوجود ابتدائی منزل پر شاید اردو کی تعلیم کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے گی اس لئے کہ ابتدائی تعلیم بہت حد تک مقامی ہے۔ سرکاری مدرسوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام نہ بھی ہو تو مقامی طور پر عوام کی طرف سے اس کا کچھ نہ کچھ انتظام ہوتا رہے گا جو چاہے گا وہ تھوڑا بہت کر ہی لے گا اتر پردیش سے لیکر میسور اور راجستھان تک مختلف علاقوں میں یہ تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے کہ مقامی طور پر مکتب اور مدرسے کھول لیے جائیں جن میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہو۔ لہٰذا اس بات کے قوی امکانات نظر آ رہے ہیں کہ ابتدائی منزل پر اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس اعلیٰ منزل پر بھی اردو پڑھنے والے شاید ملتے رہیں اس لئے کہ اتنے بڑے ملک میں ایسے نوجوان یونیورسٹیوں کو دستیاب ہوتے رہیں گے جو محض ایک زبان سیکھنے کے شوق میں تہذیبی ورثے سے لطف اندوز ہونے کے لئے اردو پڑھتے رہیں گے شاید اعلیٰ تعلیم کی پیاس یا سماج میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے کی خواہش یا شاید محض بہتر وقت گزاری کے وسیلے کے تحت یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا اور ان یونیورسٹیوں میں جہاں فارسی عربی فرنچ اور دوسری زبانوں کے شعبے قائم ہوں گے وہاں اردو کا بھی ایک شعبہ قائم رہے گا پنجاب میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے اور نہ ہی پنجاب یونیورسٹی میں اردو کا کوئی شعبہ قائم کیا گیا ہے اس کے باوجود پرائیویٹ طور سے اردو فارسی اور عربی میں ایم اے کرنے کی اجازت ہے غرض تعلیم کی اعلیٰ منزل پر اردو کی تعلیم کا کسی قدر انتظام ہوتا رہے گا۔

لیکن اصل مسئلہ ثانوی منزل کا ہے اس اہم منزل پر جب

ہماری تعلیم کا ایک نظر ڈالنے سے انتہائی حد مایوسی ہوتی ہے
صورت حال یہ ہے کہ سرکاری مدارس میں اردو کی تعلیم کا کوئی بھی
انتظام نہیں ہے سوائے ان چند اسکولوں کے جو پرائیویٹ اداروں
کی حیثیت سے مسلمانوں کی مختلف انجمنوں کے تحت چلائے
جا رہے ہیں۔ اردو کی شکل کہیں دکھائی نہیں دیتی
چونکہ اقتصادی نقطۂ نظر سے اردو کی حیثیت بہت کم ہے۔
اس لئے سماج کا وہ طبقہ جو زیادہ باشعور ہے اور صاحب
حیثیت بھی اپنے بچے کو کسی پبلک اسکول میں بھیجنے کی کوشش کرتا
ہے جہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہو ان اسکولوں میں اردو کی تعلیم
کا کوئی انتظام نہیں ہے سماج کا وہ طبقہ جو صاحب حیثیت تو نہیں ہے
لیکن باشعور ضرور ہے یعنی متوسط طبقہ جو زیادہ مستقبل کے
تقاضوں کے تحت بہتے ہوئے دھارے کے ساتھ ہے اس کے
لئے چراغوں میں روشنی باقی نہیں رہتی اس طرح ثانوی منزل پر
اردو کی تعلیم کے مواقع بہت کم ہے اور آئندہ بھی امکانات
نظر نہیں آتے۔

تدریس اردو کے مسائل کو سہولت کے خیال سے دو حصوں
میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک کا تعلق اردو کی تحریک سے ہے اور
دوسرے کا اردو کی تدریس سے تحریک کا تعلق ذمہ دار لوگوں سے
ہے اور تدریس کا استاد سے — طلباء میں اردو پڑھنے کی۔
تحریک پیدا کرنا استاد کے بس میں نہیں ہے اس لئے کہ محرکات
اسکول کی چہار دیواری کے باہر سماجی اور اقتصادی قوتوں کے
ہاتھ میں ہیں اپنے بچے کو سائنس یا ٹیکنالوجی کی تعلیم دلانے یا
کسی ایسی ہی نفع بخش فنی تعلیم اختیار کرانے کے لئے والدین ہر
طرح کی قیمت چکانے کو تیار ہیں اس لئے ان مضامین کو منتخب
کرانے کے سلسلہ میں استاد کو کسی قسم کی کوشش نہیں کرنی۔
پڑتی یہ سماجی اور اقتصادی محرکات اتنے قوی ہیں کہ اسکول
[illegible] سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ ہماری تعلیم کا ایک
[illegible] سماج کی رہنمائی۔
[illegible]

[illegible] نئی جہاں کہیں بھی اردو کی تعلیم
کا انتظام ہے اس کے لئے ایک بہترین تدریس کی بھی ضرورت
ہے

ثانوی منزل پر اردو کی تدریس کے اغراض و مقاصد
کیا ہیں ان کی روشنی میں ہی ان مسائل کو پیش کرنا زیادہ مناسب
معلوم ہوتا ہے۔

اس منزل پر طلباء سے توقع کی جاتی ہے کہ زبان کی
بنیادی مہارتیں جنھیں وہ ابتدائی منزل پر سیکھ کر آئے
ہیں ان کی مشق کریں ان بنیادی مہارتوں میں لکھنا پڑھنا
بولنا اور سمجھنا شامل ہیں اس طرح اس منزل پر طلباء کو زبان
پر قدرت حاصل ہونی چاہیئے زبان پر قدرت حاصل کرنے
سے مراد ہے کہ طلباء اپنے مافی الضمیر کو سیدھی سادی زبان
میں ادا کر سکیں اور اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو مرتب
شکل میں تحریری طور پر پیش کر سکیں۔ اس صلاحیت سے
ایک طرف وہ اپنے کاروباری معاملات میں استفادہ کر سکیں
گے۔ اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک بنیاد استوار
کر سکیں گے اس کے علاوہ اس منزل پر طلباء سے توقع کی جاتی
ہے کہ وہ زبان و ادب کے رشتے سے مانوس ہو سکیں اور
ادبی و تہذیبی سرمایہ سے روشناس ہو سکیں اس لئے منزل
پر زبان اور ادب کی تدریس کا بہترین انتظام ہونا چاہیئے۔

موجودہ طریقہ تدریس اتنا میکانکی ہے کہ تدریس کے
تخلیقی پہلو کا گلا گھونٹ دیتا ہے نثر ہو یا نظم انشاء ہو یا
قواعد موضوع اور مواد کے لحاظ سے طریقہ تعلیم میں تنوع کی۔
ضرورت ہے یہ مسائل بہت غور طلب ہیں کہ کیا درسی کتاب
کے تمام مضامین ایک ہی طرح پڑھائے جائیں یا الگ
الگ مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے منفرد طریقہ تدریس
درکار ہے۔ کہانی، ڈرامہ، مضمون، انشائیہ، معلوماتی مضامین
سب [illegible] ایک متنوع اور منفرد طریقہ تدریس کا
[illegible] طریقہ نظم کے تدریسی طریقوں میں بھی
[illegible] تنوع کا خیال رکھنا
[illegible] طریقہ تعلیم کا مطالبہ کرتی

ہے تحریر کا اور تحریری نشو و نما کے لئے بھی افکار کی بہتر تدریس کے طریقے دریافت کرنے کا ضرورت ہے قواعد کی تدریس کے فرسودہ طریقوں کو جو تعریفیں رٹنے ورٹانے پر مشتمل ہیں خیر باد کہنا ہوگا اس کے علاوہ طلبا میں ایک شستہ ادب کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ایک ادبی فضا کا قیام بھی بہت ضروری ہے اس کام کے لئے شاید مدرسوں میں اردو کلب کا قیام بہت زیادہ مفید اور معاون ثابت ہو۔

موجودہ تدریسی طریقہ ایک مکتبی طریقہ تعلیم ہے جس کا بہت کچھ دار و مدار رٹنے ورٹانے پر ہے عام طور سے ہمارے مدرسوں میں طریقۂ تعلیم کے دو رجحانات پائے جاتے ہیں اگر استاد قدیم روایات کا حامل ہے تو وہ صرف کتاب پڑھاتا رہتا ہے اور اکثر کتاب بھی ڈھنگ سے نہیں پڑھاتا دوسری طرف اگر استاد نئی روشنی کا دلدادہ ہے تو نفسیاتی نزاکتوں کی تابعداری میں ہی لگا رہتا ہے درس و تدریس کا عمل ایک پیچیدہ عمل ہے۔ اگر ایک طرف یہ ایک فن ہے تو دوسری طرف ایک سائنس بھی اگر ایک طرف اس عمل میں جذبات کا دخل ہے اور اس کا تعلق انسانی روایات اور انسانی اقدار سے ہے تو دوسری طرف ایک سوچے سمجھے تربیتی پہلو سے بھی ہے غرض تدریسی عمل اگر ایک طرف فطری عمل ہے تو دوسری طرف اکتسابی عمل بھی ہے اس لئے ان دونوں کی خوشگوار آمیزش سے ہی اچھی تدریس کی صورت پیدا ہو سکتی ہے ذوق و شوق بھی چاہیئے اور مشق اور مہارت بھی۔

اچھی تدریس کے لئے ضروری ہے کہ استاد اپنے مضمون سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ اگر استاد مسلسل اپنے علم کو تازہ نہ کرتا رہے گا تو اس کا تخلیقی سوتا خشک ہو جائیگا

اردو کے اساتذہ کو اپنے مضمون سے دلچسپی ہونا۔ تدریس کی پہلی شرط ہے جب تک معلم خود مضمون سے دلچسپی نہ لے گا وہ اپنے طالب علموں میں شوق نہیں پیدا کر سکتا۔ ایک اچھی تدریس طالب علم کو مضمون سے بد دل کر سکتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ استاد میں یہ سب خوبیاں موجود ہوں اور وہ بہتر ڈھنگ سے پڑھائے بھی۔ لیکن اس کو صلہ کیا ملتا ہے مدرسوں کے اساتذہ عام طور سے اور اردو کے اساتذہ خاص طور سے ایک احساس کمتری کا شکار ہیں یہ احساس کمتری بڑی حد تک حق بجانب ہے۔ لیکن درس و تدریس کے کام میں ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اس لئے اس بات کی اشد ضرورت بھی ہے کہ اردو کے اساتذہ کا احساس کمتری دور کیا جائے تا کہ درس و تدریس کے لئے ایک بہتر فضا تیار ہو سکے یہاں جذبہ کی۔ حرارت ہی کام آسکتی ہے اردو سے حکومت کی بے توجہی کا گراز الہ ہو سکتا ہے تو اسی طرح۔ اردو کے اساتذہ میں شوق اور ولولہ پیدا کرنے اور اردو کی تدریس کو سدھارنے کے لئے بہت سی صورتیں پیش کی جا سکتی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) طریقۂ تعلیم پر ریسرچ کا انتظام کرایا جائے تا کہ طریقۂ تعلیم کو سدھارا جاسکے ریسرچ کے چند موضوعات یہ ہو سکتے ہیں۔

— مخصوص جماعت کے مطالعہ کی کیا رفتار ہے۔ مطالعہ کی رفتار میں اضافہ کرانے کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں۔

— تلفظ اور املا کی معیار بندی کرائی جائے تا کہ اس کا اختلاف بہت حد تک دور کیا جاسکے اور ہر جگہ کے لئے یکساں معیار فراہم ہو سکے۔

جدید تحقیقات کی بنیاد پر درجہ وار درسی کتابیں تیار کرائی جائیں۔

(۲) اساتذہ کو تدریس کے لئے رجحانات اور میلانات سے باخبر رکھا جائے اور نئی تحریکات سے مستفید کرایا جائے مثلاً امتحان اور جانچ کے جدید طریقوں کو عمل میں لانے کیلئے معروضی جانچ کے پرچے تیار کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے ان ضرورتوں کے پیش نظر اساتذہ کے لئے مختصر اعادی نصاب اور توسیعی پروگرام کا انتظام کیا جائے۔

(۳) یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسی معلومات فراہم کی

جائیں کہ کن کن مدرسوں میں اردو ... کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے اور ان مدرسوں میں پڑھانے والے اساتذہ کی تعداد اور ان کی استعداد ... ہے اس نوعیت کی چند دیگر باتوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کام مرکزی یا ریاستی حکومتوں کے حلقۂ عمل میں آتے ہیں لیکن یہ حکومتیں سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر اردو کی ترویج و اشاعت سے چشم پوشی کرتی ہیں وہ اگر کچھ کام کرتی ہیں تو برائے نام اس لئے حکومتوں کے ذریعے یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ ہاں ایک دو ریاستی حکومتیں ایسی ضرور ہیں جہاں اردو سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے ان ریاستی حکومتوں سے توقع کی جاتی ہے کہ اردو کی تدریس و اشاعت کے لیے ان مسائل پر غور کریں گی۔ ان کے علاوہ طریقۂ تعلیم پر ریسرچ کرنے کے سلسلے میں خاص طور سے ان اداروں پر بھی ذمہ داری آتی ہے جہاں اسطرح کے کام کی روایت رہی ہے ان کی کارگزاری سے یقین ہوتا ہے کہ ان کے پاس تجربہ بھی ہے اور حوصلہ بھی لہٰذا اس وقت انہیں کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں

بقیہ: مسلمانوں کی پسماندگی

شعبہ میں اسی کاروبار میں ایک تعلیم یافتہ شخص جس قدر ... کر سکتا ہے یا اپنی تعلیم سے اس میں ترقی و توسیع کی راہیں نکال سکتا ہے۔ اس سے وہ زندگی بھر کے لئے محروم ہو جاتے ہیں۔ بالآخر ان کی زندگی کی مجموعی ترقی اور مجموعی کامیابی محدود ہو کے رہ جاتی ہے جس کا اثر ساری ملت پر بھی پڑتا ہے

اب وقت آچکا ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح اور دائروں میں انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ہم کو ترقی کرتے ہوئے کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک اور ہمدردی کے جذبے کی جوت جلاتے ہوئے علم و ہنر کی قندیلیں روشن کر کے راستہ کی دشواریوں اور تاریکیوں پر قابو پاتے ہوئے بڑی ہوشمندی سے مسلسل آگے بڑھنا ہوگا۔

ایجادات

ایجاد	موجد	سنہ
ڈائنامو	مائیکل فراڈے	۱۸۳۱ء
ڈیزل انجن	روڈولف ڈیزل	۱۸۹۷
ریلوے انجن	اسٹیفنسن	۱۸۱۴
فاؤنٹین پین	واٹرمین	//
گراموفون	ایڈیسن	//
ہیلی کوپٹر	بریگوئٹ	۱۹۰۹
لفٹ	اوٹس	۱۸۵۲
لائف بوٹ	ہنری گریتھیڈ	//
مشین گن	ڈاکٹر گیٹلنگ	۱۸۱۶
مائیکروفون	برلائنر	//
مائیکرواسکوپ	جینسن (امپروڈ گلیلو)	//
موشن پکچر مشین	ایڈیسن (کنفورمس ریلوا)	۱۸۹۳
موٹر کار	ڈیملر	//
پرنٹنگ پریس	کیکسٹن	//
ٹائر	ڈنلپ	//
راڈار	سر رابرٹ واٹسن واٹ	//
ریوالور	کولٹ	//
ریڈیو ٹیلیفون	لی ڈی فورسٹ	۱۹۰۶
ریڈیو ٹرانسمیٹر	الیگزینڈرسن	۱۹۱۴
سلائی مشین	الیس ہاؤ	//
سب میرین	بشنیل	//
اسٹیم بوٹ	فلٹن	۱۸۰۷
سیفٹی لیمپ	[illegible]	۱۸۱۶

اسلام نے یورپ کیا دیا

مغرب پر اسلامی علوم اور تہذیب کے اثرات

ماخوذ از الثقافۃ العربیہ)

زیر نظر مضمون الثقافۃ العربیہ، سے ماخوذ ہے یہ جریدہ متحدہ عرب امارت سے شائع ہوتا ہے اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے علوم و فنون کے ذریعہ کس طرح یورپ کو مالا مال کر دیا ہے اور مغربی دنیا اسلامی تہذیب سے کس طرح متاثر ہوئی ہے ہمیں اُمید ہے کہ یہ پُر از معلومات مضمون پندرھویں صدی کے قارئین بڑی دلچسپی سے پڑھیں گے.

آج علمی حلقوں میں یہ سوال دلچسپی اور غور و فکر کا محور بنا ہوا ہے کہ اسلامی تہذیب نے مغربی تہذیب کو کیا دیا؟

مسلمانوں کے دور اقتدار کا زوال پندرھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا تھا اس زمانے میں مغربی قومیں متعدد مسلم ممالک پر قابض اور مسلط ہو گئی تھیں اور انہوں نے اپنی سیاسی ضرورتوں کے ماتحت ایک طرف تو اسلام اور اسلامی تہذیب کو مسخ شدہ اور مکروہ شکل میں پیش کرنے کی ایک منظم مہم شروع کر دی تھی اور دوسری طرف انہوں نے لوگوں کو اس بات کا موقع بھی نہیں دیا تھا کہ وہ غیر جانبداری اور بے تعصبی کے ساتھ مغربی تہذیب پر اسلامی اثرات کا مطالعہ کر سکے. لیکن انیسویں صدی کے وسط سے یہ صورت حال تبدیل ہوتی رہی ہے اور مغرب کے علمی حلقوں میں اسلامی تہذیب کے مطالعہ کا احساس بڑھتا جا رہا ہے اور اس مطالعہ کی بدولت یہ تاریخی حقیقت روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ اسلامی تہذیب ہر گوشے اور شعبے میں مغربی تہذیب کے معاون و مددگار رہی ہے

اس تاریخی حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کو کئی صدیوں تک قوموں کی برادری میں ایک امتیازی مقام حاصل رہا ہے اور دور وسطیٰ میں جبکہ بازنطینی اور رومی تہذیبوں کے چند دھندلے سے نقوش کے علاوہ قدیم تہذیبوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا تھا صرف اسلامی تہذیب ہی روشنی کے مینار کی طرح انسان کی رہنمائی کر رہی تھی

اسلامی تہذیب بارہویں صدی عیسوی میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی تھی اور اسی زمانے میں صدیوں کے بعد یورپ میں بھی بیداری شروع ہوئی تھی. لیکن اس کی اس بیداری کو قدرتی نہیں کہا جا سکتا. بلکہ یورپ اسلامی تہذیب ہی کے زیر اثر بیدار ہوا تھا چنانچہ بہت سے مغربی مورخوں نے، مفکروں اور محققوں نے لکھا ہے کہ اس بیداری میں مسلمانوں کی کاوشوں اور تحریروں کے تراجم صلیبی جنگوں کی بدولت مسلمانوں کے ساتھ یورپ کے باشندوں کے تعلقات اور یورپ میں مسلم ہسپانیہ کے وجود کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور اگر یورپ کے باشندے ان ذرائع کی مدد سے اسلامی تہذیب کی عظمت اور افادیت سے واقف نہ ہوئے ہوتے تو شاید وہ آنے والی کئی صدیوں تک بھی بیدار نہیں ہو سکتے تھے.

مثال کے طور پر سائنس ہی کو لے لیجئے یہ ایک وسیع

علم ہے اور آج پوری مغربی تہذیب سائنس [illegible] منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن تاریخی ثبوت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس موضوع علم میں یورپ والوں نے مسلمانوں کی تحقیقات اور دریافتوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

مسلمان علماء اور مفکرین نے شروع ہی سے علم کے معاملہ میں تعصب اور تنگ نظری سے اجتناب کو اپنا شیوہ قرار دیا تھا۔ انہوں نے ماضی کے مدفون علمی خزانے کو برآمد کر کے ان کو علمی کسوٹی پر پرکھا تھا انہوں نے ان علمی خزانوں کے گرانقدر سرمایہ کو محفوظ کیا تھا اور خود اپنی پیدا کردہ علمی دولت کو ان کے ساتھ ساتھ شامل کر کے ان خزانوں کے دروازے سب پر کھول دیئے تھے مسلمانوں نے تاریخ آثار قدیمہ، طب، کیمسٹری، ریاضی ہیئت یعنی فلکیات اور فلسفہ جیسے کار آمد اور اہم علوم میں سے بعض کی بنیاد خود قائم کی تھی اور دوسرے علوم میں اتنی زیادہ ترقی کی تھی کہ ان کے قائم کئے ہوئے بہت سے اصول اور نظریات آج بھی اپنی جگہ قائم ہیں اور مغرب میں ان علوم کی ترقی مسلمانوں کی ہی رکھی ہوئی بنیادوں پر ہوئی ہے۔

طب اور کیمیا اس عہد کے بڑے علوم میں شامل کئے جاتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان علوم کو مسلمانوں ہی نے مدون اور مرتب کیا تھا اور انہوں نے ان میں ترقی کی تھی کہ دور وسطیٰ میں حاذق اطباء صرف مسلمانوں ہی میں ملتے تھے ایسے مسلمان اطباء کی فہرست بہت طویل ہے جو مشرق اور مغرب میں مشہور تھے اور اس فہرست میں ان ہستیوں کے نام بھی ہیں جنہیں اس عہد میں نہیں بلکہ آج تک عزت و احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے مثال کے طور پر ابوبکر رازی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ دسویں صدی کے وسط میں تھے اور مغرب میں آج بھی انہیں ان کے عہد کا سب سے بڑا طبیب اور کیمسٹ تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے نسوانی امراض اور آشوب چشم کے عمل جراحی [illegible] تیں کی تھی اور ان امور میں آج بھی ان کی تحقیقات کے نتائج سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے

رازی کی تصانیف کے تراجم ابتدا میں لاطینی زبان میں ہوئے تھے اور اس کے بعد لاطینی سے یورپ کی تمام زبانوں میں ان کے تراجم کئے گئے تھے اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کا تمام طبی نظام رازی ہی کے نظریات پر مبنی رہا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے بعد جب تحقیقات کا میدان جب زیادہ وسیع ہو گیا تو کیمسٹری کی معلومات پر نئے نئے اضافے ہوتے چلے گئے اس کے باوجود اس مسلم طبیب اور مفکر کی تحقیقات کے نتائج میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

اس سلسلہ میں علی ابن سینا کا ذکر بھی کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ابن سینا گیارہویں صدی میں تھے اُن کی علمی صلاحیتوں کے متعلق "ہسٹری آف سائنس" کے مصنف پروفیسر سارٹن نے لکھا ہے، "کہ وہ تمام اداروں کے اور تمام ملکوں اور قوموں کے عظیم ترین طبیب تھے، لیکن ابن سینا طبیب ہی نہیں بلکہ زبردست فلسفی، ریاضی داں، ماہر فلکیات اور ماہر موسیقی یعنی عالم لغات بھی تھے۔ انہوں نے ان علوم پر زبردست بہت سے کتابچے لکھے تھے لیکن علم طب پر ان کی کتاب "القانون" گراں قدر سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی لاطینی زبان میں ہوا تھا۔ اور بعد یورپ کی تمام زبانوں میں اسے منتقل کیا گیا تھا۔ آج بھی "القانون" کو قدیم علم طب میں اہم مقام حاصل ہے۔"

اسی طرح بارہویں صدی میں ابن رشد کی تصانیف اور علمی نظریات سے اہل یورپ نے بہت زیادہ مقالے سپرد قلم کئے ہیں۔ تیس سے زیادہ فلسفہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ طب میں ان کی کتاب "الکلیات" کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

امریکہ کے مشہور مصنف جان ولیم ڈریپر کا بیان ہے کہ اٹلی، جرمنی اور انگلستان میں ابن رشد کا فلسفہ

انٹرویو:

از
سجاد احمد صمدانی
پنجاب

نمبر ۲

آل انڈیا سیمینار

مسلم تعلیمی اداروں کے مسائل

دہلی میں ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نے ۱۵ رمئی ۱۹۸۲ء کو مسلم تعلیمی اداروں کے مسائل پر ایک کل ہند کانفرنس کا انعقاد کیا اس میں دہلی کے علاوہ ملک کے اکثر صوبوں کے ماہرین تعلیم اور دانشوروں نے شرکت کی پنجاب سے مسلم ایجوکیشن اینڈ ویلفیر ایسوسی ایشن کے بانی و سکریٹری جناب محمد اقبال صاحب نے بطور ڈیلیگیٹ اس کانفرنس میں شرکت کی پنجاب کے لئے اقبال صاحب کسی تعرف کے محتاج نہیں۔ کافی عرصہ تک درس وتدریس کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ اس کانفرنس کے بارے میں ان کے تاثرات قارئین کے لئے مفید ثابت ہوں گے

سجاد احمد صمدانی

سجاد :- اقبال صاحب کیا ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام دہلی میں منعقدہ سیمینار کو آل انڈیا سیمینار کہنا درست ہے؟

اقبال صاحب :- جی ہاں بالکل درست ہے اس سیمینار میں شمال سے لے کر جنوب تک کے تعلیمی اداروں کے ذمہ داران اور ماہرین تعلیم نے شرکت کی اس طرح یہ ایک نمائندہ کانفرنس تھی جس میں راجستھان پنجاب مدھیہ پردیش بہار۔ کرناٹک۔ مہاراشٹر کیرالا۔ تامل ناڈو سے آئے ہوئے ۲۸ مندوبین شریک ہوئے ان کے علاوہ دہلی کے ممتاز ماہرین تعلیم اور مقامی اسکولوں اور کالجوں کے پرنسپل صاحبان اور اساتذہ شریک ہوئے ان کے علاوہ ماہنامہ پندرہویں صدی کے اعزازی نگراں بھی بطور خاص موجود تھے۔

س :- سجاد :- اقبال صاحب یہ سیمینار ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ ہمیں یہ بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیے کہ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے مقاصد کیا ہیں؟

جواب :- اقبال صاحب ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے قیام کے دو مقاصد ہیں۔ (۱) ہندوستانی معاشرے کے کمزور طبقوں خصوصاً مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینا اور کردار کی تخلیق کرنا (۲) سماجی۔ تعلیمی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنا ہے تاکہ ہندوستان کی تعمیر میں مسلمان بھی تعلیم یافتہ ہوکر برابر کے حصہ دار بنیں

س :- جناب اقبال صاحب براہ کرم یہ بھی بتائیں کہ اس سیمینار میں کن کن ماہرین تعلیم نے کن کن موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ج :- اس سیمینار میں تقریباً تمام مندوبین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کچھ لوگوں نے مقالے پڑھے اور بعض حضرات نے اپنے علاقوں اور صوبوں کے حالات بتاتے ہوئے مسلمانوں کی عام تعلیمی پستی کا اظہار کیا ان میں مس صفیہ سلطانہ نقوی پرنسپل آل احمد گرلز انٹر کالج امروہہ۔ محترمہ شاہین پرنسپل ایوب گرلز ہائی اسکول پٹنہ مسٹر اسحاق پرنسپل اسحاقیہ ہائر سکنڈری اسکول جے پور ڈاکٹر محمد آصف سکریٹری مسلم ہائی اسکول جے پور مسٹر انصاری وائس پریذیڈنٹ مسلم مائنارٹی اسکولز بمبئی (مہاراشٹر) پروفیسر حکیم بقیو سو سوسائٹی مدراس

سید شہاب الدین ستیم صاحب۔ جناب سید صداقت پیرا اعزازی سکریٹری الامین ایجوکیشن سوسائٹی بنگلور نے مختلف مسائل پر اظہار خیال کیا۔ ان کے علاوہ منظہرالاسلام اسکول کے پرنسپل جناب مشکور علی صدیقی وائس پریزیڈنٹ پرنسپل فورم ایڈیڈ اسکول دہلی اور جناب راؤ شمشاد صاحب پرنسپل اینگلو عربک اسکول دہلی نے خیال افروز مقالے پڑھے

ان کے علاوہ جناب شہاب الدین دسنوی صاحب جناب سید شمیم شاہ صاحب جناب اوصاف علی صاحب اور پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جناب ابو الفیض صاحب سحر جو اس سمینار کے روح رواں تھے روشنی ڈالی

س :۔ براہ کرم مختصر طور پر یہ بتلائیے کہ اس سیمینار سے متعلق کونسے مسائل زیر بحث رہے اردو اوارکی

(ا) :۔ اس سمینار میں مختلف قسم کے مسائل زیر بحث رہے مثلاً یہ مسئلہ کہ مسلمانوں میں تعلیمی ذوق اور رجحان کی کمی کے کیا اسباب ہیں مسلم اسکولوں کے معیار تعلیم کو کس طرح بلند کیا جاسکتا ہے۔ اردو اسکولوں کے درسی اور انتظامی مسائل کیا ہیں۔ اساتذہ اور طلباء اور والدین کے درمیان حقیقی تعلق کیسے پیدا کیا جائے اور مسلمانوں میں سائنسی اور فنی تعلیم کو کس طرح فروغ دیا جائے۔ مسز سلطانہ نقوی نے ہماری جہالت اور تعلیم کی کمی کو ہماری سماجی، پسماندگی کا سبب قرار دیا۔ پروفیسر حکیم ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائرکٹر گجرات نے معاشی مسائل پر روشنی ڈالی، جناب راؤ شمشاد علی خاں صاحب نے طلباء کے اسلامی کردار پر زور دیا۔ منظہرالاسلام اسکول دہلی کے پرنسپل جناب مشکور علی صدیقی صاحب نے ہندوستان کے اردو اسکولوں کے مسائل کو جامع اور بھرپور انداز میں حاضرین کے سامنے پیش کیا اور بتایا انگلش میڈیم اسکولوں کے قیام اور انگلش ذریعہ تعلیم کو اپنانے کا رجحان ہماری ملی زندگی کے لئے نہ صرف تباہ کن ہے بلکہ بڑی حد تک خطرناک بھی

موصوف نے مزید بتایا کہ جب تک ہم اپنی زبان اور تہذیب کی حفاظت اور فروغ کے لئے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اس وقت تک ہماری ملی زندگی باوقار نہیں بن سکتی۔ اس کے علاوہ موصوف نے حاضرین کے سامنے ایک اچھی تجویز یہ بھی رکھی کہ ہمیں اردو میڈیم اسکولوں کو ماڈل اسکول بنانے پر زور دینا چاہیے جتنا کہ انگلش میڈیم اسکولوں کے قیام اور استحکام پر زور دیا جاتا ہے اگر یہ تمام کوششیں اردو میڈیم اسکولوں پر صرف کی جائیں تو یہ ادارے بھی اسی طرح بہتر نتائج پیش کرسکتے ہیں جس طرح کہ انگلش میڈیم اسکول۔

س :۔ پنجاب کے اسکولوں کے حالات کو سدھارنے کے لئے آپ نے کیا تجویز پیش کی ہیں ؟

ا :۔ پنجاب کے پورے علاقے میں مسلم تعلیمی اداروں کی بیحد کمی ہے جن کی تعداد پورے پنجاب میں صرف دو ہے۔ ہم سب کو مل کر کوشش کرنی چاہیے کہ پنجاب وقف بورڈ کو اس بات کے لئے آمادہ کیا جائے کہ وہ پنجاب میں مسلم تعلیمی اداروں کا قیام اور ان کے فروغ میں بھرپور تعاون کرے اور نئے ادارے کھولے۔

عوام کو بھی چاہیے کہ وہ سرکاری سطح پر اردو ذریعہ تعلیم کے اسکول کھولنے کے لئے سرکار کو آمادہ کرے۔

س :۔ جناب حکیم عبدالحمید صاحب جو اس تحریک کے بانی ہیں ان کے تاثرات کیا رہے ؟

ا :۔ حکیم صاحب بہت ہی کم گو سنجیدہ اور متحمل مزاج انسان ہیں کافی وقت انہوں نے ہمارے ساتھ گذارا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلم قوم کی تعلیمی پستی کو دور کرنے کے لئے بےچین ہیں، نہ صرف مسلم قوم بلکہ ملک کے ہر شہری کو تعلیم یافتہ اور ایک اچھا انسان دیکھنا چاہتے ہیں۔

پریمیر اینڈ سٹریز
گھر میں استعمال ہونے والی
سب سے زیادہ ضرورت کی چیزیں تیار کرتی ہے
مضبوط اور پائیدار
سوتی نواڑ، گول چپٹا نار، ٹیپ اسٹو کی گول بہترین بتیاں
بناتی ھے
آپ بھی فائدہ اُٹھائیے
پتہ
پریمیر اینڈ سٹریز ۲۰ گلی ۱۱ جعفرآباد، دہلی۔ فون ۲۱۲۱۳۱۴۴

سوال آپ کا جواب ہمارا

سوال: ہندوستان میں بہت سی مسلم تنظیمیں ہیں لیکن ان میں اتنا اختلاف ہے کہ تعمیری کام نہیں ہوتے کیا ان اختلافات کا حقیقی سبب معلوم ہو سکتا ہے۔

رحمت اللہ بدایوں

جواب:۔ رحمت صاحب شاید آپکو معلوم نہیں کہ یہ اختلاف صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں اختلافات کے بادل چھائے ہوئے ہیں ورنہ اسرائیل جیسی معمولی طاقت پورے عالم عرب کو بدنام کر سکتی تھی ان کی مذہب سے دوری۔ عیش و عشرت اور بے نیازی نے ان کے سروں کو جھکا دیا ہے۔ یہی حال ہندوستان میں بھی ہے۔ اقتدار کی بھوک۔ خود غرضی خدا سے بے خوفی اور خدا کے علاوہ دوسروں سے سہارا چاہنا پوری مسلم قوم کو تباہ کئے بیٹھے ہے۔ کسی بھی مسئلہ میں یہ جماعتیں ایک دوسرے سے اتفاق رائے نہیں رکھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان تعلیم میں پسماندہ ہے، تجارت میں پیچھے ہے اور صنعت و حرفت میں مہارت رکھنے کے باوجود بھوکا سوتا ہے۔ ننگا رہتا ہے اور شہر کی جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرتا ہے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں سڑکوں پر زندگی بسر کرتا ہے

سوال:۔ ہجرت کسے کہتے ہیں حضور انور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کیوں کی۔

اکرم رامپور

جواب:۔

جواب:۔ اکرم میاں آپ کا سوال بہت پیارا ہے غیر مسلم بھی اس سوال کا جواب معلوم کرتے ہیں۔ "اپنے وطن عزیز کو کسی مجبوری یا کسی مقصد کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونے کو ہجرت کہتے ہیں۔ اسلام کے مشن کو تقویت دینے اور اسے پورا کرنے کی غرض سے خدا کے حکم سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور پھر دوبارہ مکہ فتح کرکے اسلام کا بول بالا کیا۔

سوال: مسلمانوں میں تعلیمی ذوق و شوق کی بیحد کمی ہے کیا اس کا سبب ان کی اقتصادی بدحالی ہو سکتی ہے

انعام الرحمٰن خاں بمبئی ۱۱

جواب: بھائی انعام صاحب بمبئی میں تو مسلمانوں میں تعلیمی ذوق و شوق کافی پایا جاتا ہے۔ جنوبی ہندوستان قابل مبارکباد ہے۔ لیکن آپ کا خیال ٹھیک ہی ہے کیونکہ بمقابلہ مسلمان تعلیم میں پسماندہ ہے۔ یہ پسماندگی وسطی ہند اور شمالی ہند میں بہت زیادہ ہے۔ مشرقی ہند بھی قابل افسوس ہے۔ اس کی اصلی وجہ تو معاشی بدحالی نہیں کہی جا سکتی۔ ہاں ایک سبب ضرور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں غیر مسلم بھائی بھی غریب ہیں اور ایک بڑی تعداد ایسی غریب ہے جیسے مسلم قوم میں غریب ملتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ جب غیر مسلم بھائی دنیا کے دکھ سکھ جھیل کر اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسے چھوٹے بڑے کاروبار میں بھی ٹریننگ دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا بچہ کامیاب ہوتا ہے اور اسکی خوشی کا سبب بنتا ہے اس کے برخلاف مسلمان دکھاوے پر خرچ کرتا ہے۔ بچت کا کوئی سوال نہیں کام سے زیادہ خالی وقت یار دوستوں میں گذارتا ہے۔ بچوں کی تعلیم کا اس کے ذہن میں خیال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا بچہ کس کلاس میں ہے۔ کسمپرسی سے لکھنے کی وہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے دنیا بھر کی سیاست پر تبصرہ کرتا ہے لیکن بچے کی تعلیم

پہر تو جو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا آخری جملہ یہ ہوتا ہے مقدر میں ہوگا تو پڑھ لے گا۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی افراد کے لئے کہا تھا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سوال: ہندوستان کی ہر قوم میں تعلیمی ذوق و شوق بڑھا ہے لیکن مسلمانوں میں یہ ذوق کم ہوتا جا رہا ہے اگر ہے بھی تو اتنا کہ اتنا پڑھے کہ کام چلا سکے آپ کی نظر میں اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں۔

سید افضل حسین پٹنہ

جواب: قابل مبارکباد ہیں آپ افضل صاحب آپ کے دل میں مسلمانوں کی تعلیمی بدحالی کا خیال آیا تو سہی ورنہ جو دطار کہاں ہے۔ دیگر قومیں تعلیم کو زندگی کا سرمایہ سمجھتی ہیں کیونکہ اس سے انہیں تجارت میں، ملازمت میں اور صنعت و حرفت میں بھی بلاد شنی ملتی ہے بچے کو تعلیم حاصل کرانے کی وجہ سے وہ سب کچھ قربان کر سکتے ہیں اس لئے ان میں ذوق روز بروز بڑھ رہا ہے مسلمان تعلیم کو ایک معمولی خوبی سمجھتا ہے کہ اگر ہو سکے تو وہ پڑھا لکھا کہلائے نہ پڑھے تب بھی صبر و تحمل سے کام لے لیتا ہے اور قسمت کا سہارا لیکر مطمئن ہو جاتا ہے مسلمانوں میں تعلیمی شوق پیدا کرنے کے لئے نہ سرسید حالی اور ڈپٹی نذیر احمد جیسی شخصیتیں اٹھیں نہ ہمارے رہنمایان وقت نے کوئی خاص کوشش کی۔ نہ سماجی کوئی ایسی تحریک چلی جو خاص طور سے مسلمانوں کو تعلیم کی اہمیت کا اندازہ کرا سکتی اور دشواریوں کو دور کرتی۔ آپ نے اس کا حل معلوم نہیں کیا۔ اس کا حل یہ ہے کہ تعلیمی ذوق و شوق پیدا کرانے کے لئے باقاعدہ کھلے تحریک چلائی جائے جس طرح سیاسی اور سماجی کام ہوتے ہیں بالکل اسی طرح یہ کام بھی ہونا چاہیئے۔

ناظرین کی رائے

جناب مدیر اعلیٰ صاحب

پندرھویں صدی میں بزم طلبا شروع کر کے ہماری دلی خواہش پوری کر دی۔ اس سے طالب علموں میں اچھے مضامین لکھنے کا شوق پڑھے گا۔ اسے جاری رکھیئے

رحمت اللہ خان چودھری میرٹھ جماعت دہم

☆

جناب ایڈیٹر صاحب

سوال و جواب سے وہ تعلیمی معلومات ہو جاتی ہیں جو کسی سے معلوم کرنے پر بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ اسے جاری رکھنے کی کوشش کیجئے۔

اسلام الدین خاں سہارنپور

☆

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

پندرھویں صدی پہلی بار دیکھا بے حد خوشی ہوئی تعلیمی رسالہ نکالا بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا۔ اس کے مقاصد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مستقبل قریب میں ہی مسلمانوں میں تعلیمی جذبہ پیدا کر دے گا۔ اس کے مضامین بہت ہی مفید اور نفسیاتی ہیں

نعیم الحق آزاد بمبئی ۴

محترم مدیر صاحب

دکھ بھری داستان کی دوسری قسط پڑھ کر رالیا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک استاد کو نہیں کرنا چاہیئے۔ ٹیچر نام بڑی عظمت کا حامل ہے ایسا کرنے والا شخص تو ٹیچر کی برادری پر بدنما دھبہ ہے۔ دکھ بھری داستان سے کافی سبق ملا اس کی اگلی قسط کب آرہی ہے۔ ظریف احمد خان لکھنؤ

دبستان دہلی

(محمد مسلم فراشخانہ دہلی)

دہلی میں جب اردو شاعری کا رواج عام ہوا تو یہاں کی سیاسی فضا قابل اطمینان نہیں تھی اورنگ زیب کے انتقال کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کی چولیں ڈھیلی ہوچکی تھیں، شاہ عالم جیسے بادشاہ چند خوشامدیوں کے اشاروں پر کٹ پتلیوں کی طرح کچھ عرصہ حکومت کرکے اور شطرنج کے مہروں کی طرح بساط سیاست سے ہٹتے جاتے تھے، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، رشوت اور بدچلنی عام تھی جگہ جگہ ریاستیں خود مختار بن چکی تھیں اور نادر شاہ نے تو اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی سپاہیوں نے خوب دل بھر کے دلی کو لوٹا۔ لوگ پریشانی میں اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے تھے۔ بادشاہ نے رعایا کی الجھنوں سے منہ موڑ لیا تھا اور اپنا غم غلط کرنے کا طریقہ سمجھ کر شاعری کرنے لگا۔

دربار سے ہندستان کے بڑے بڑے شعرا اور گوئیے وابستہ تھے۔ محمد شاہ کی ٹھمریاں اور گیت بہت مقبول ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی زمانے میں اردو غزل گوئی نے دہلی میں اپنے قدم جمائے۔

جب سیاسی اور سماجی حالت ایسی ہو تو دنیا سے مایوسی اور بیزاری دلوں پر طاری ہو جاتی ہے اور لوگ ایسے فلسفۂ زندگی کے قائل ہو جاتے ہیں جو اس دنیوی زندگی کو بے اصل اور موت کے بعد کی زندگی کو دائمی قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں نے ذہنی طور پر اس فانی دنیا سے فرار کا راستہ اختیار اختیار کرلیا اور یہ راستہ تصوف کا تھا۔ دہلی میں جا بجا فقیروں کی خانقاہیں تھیں جہاں کی صوفیانہ تعلیم لوگوں کو اپنے حالات اور مزاج کے مطابق معلوم ہوتی زندگی کو چند روزہ، پانی کا بلبلہ اور موت کے بعد کی زندگی کو دلکش قرار دینا اس تعلیم کا نتیجہ تھا جو صوفیوں کے ذریعہ عام ہورہی تھی اس زمانے کی غزلوں میں ایسے مضامین عام ہیں یاس و حرماں غم و آلام کے اشعار دہلی کی غزلوں میں زیادہ ملتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کے امیر و غریب سب ہی بدحالی میں مبتلا تھے۔ زندگی کو بے ثبات سمجھنا ایک فطری بات تھی۔ جعفر زٹلی درد میر شاہ عالم غالب اور سب ہی نے اس کا مرثیہ پڑھا ہے اور اپنے ماحول کی مرثیہ خوانی کی ہے۔ ان حالات کا انہیں شدت سے احساس تھا اور اپنی داخلی شاعری شعراء نے اس طرح پیش کی ہے کہ پڑھنے والوں کا دل بھی چھنے والوں کی ٹیس محسوس کرنے لگتا ہے اسی لئے اس زمانے کے اشعار میں سادگی، نرمی اور لوچ کے علاوہ۔ مقامی بولیوں کے میٹھے بول اور محاورے اس طرح چسپاں کئے گئے کہ دل پر گہرا اثر ڈال سکیں، دہلی کا عام رنگ سادگی، اور بے تکلفی ہے استعاروں اور تشبیہات کے ذریعہ دہلی کے شعراء نے اپنے کلام میں نکھار اور دلکشی پیدا کردی ہے۔

دہلی کی غزلوں میں شعراء نے اپنے کلام میں نکھار اور دلکشی پیدا کردی ہے۔ دہلی کی غزلوں میں ٹیس کسک درد اور غم و الام اکثر و بیشتر ملتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ بیان کی شیرینی اور گھلاوٹ ہے اپنی صفات اور خصوصیات کی شاعری کو اردو ادب میں دبستان دہلی کہا گیا ہے۔

بزمِ طلبا

داخلہ

تسلیم احمد رہبر۔ جماعت دہم

امتحان ختم ہو گئے سارے
شور یہ اب تو مچنے والا ہے

اپنا بچہ کہاں کروں داخل
پانچ سے زیادہ ہونے والا ہے

گالیاں کھائے گا مدرسِ اعلیٰ
جوں ہی انکار کرنے والا ہے

بے خبر ہو کے سوئیں گے سارے
بچہ اسکول جانے والا ہے

بچہ داخل ہوا سکون ملا
گھر نہ اب سور کرنے والا ہے

اس طرح علم کوئی پا نہ سکا
آج رہبر یہ کہنے والا ہے

بچہ

(ترجمہ) سحر انصاری

میں جب پہلے پہل میلے گیا تھا
مرے کیسے میں کچھ پیسے پڑے تھے
مگر میں بیشتر اشیا کی جانب
بڑی حسرت سے تکتا جا رہا تھا
کہ اِن پیسوں میں ہر جنسِ گراں کی
خریداری مرے بس میں نہیں تھی
رتیں بدلیں زمیں نے کروٹیں لیں
وہ لمحے ہو چکے رخصت کبھی کے
یہ پیسے ہیں، یہ میلہ ہے، یہ میں ہوں
اگر چاہوں تو میں اب حسبِ منشا
ہر اک جنسِ گراں کو مول لے لوں
مگر میں دل میں یہ بھی سوچتا ہوں
جو بچہ مجھ میں تھا اب وہ کہاں ہے

پیار کے قابل

محمد اکرم ×

اچھے بچے پیار کے قابل ہیں سب
وہ بلند افکار کے حامل ہیں سب
روز پڑھنا، یاد کرنا انکی عادت ہے سدا
ملتی ہے ماں باپ کی ہر حال میں الفت سدا
کتنے خوش قسمت ہیں بچے دیکھ لو
ہر قدم پر ہیں وہ سچے دیکھ لو
امتحان میں فرسٹ آتے ہیں وہی
سیکڑوں انعام پاتے ہیں وہی

ہنسیۓ اور ہنسایۓ

انسا — جرام عرشی

(۱)

ایک بہرے آدمی نے دوسرے بہرے سے سوال کیا۔
کیا آپ کلکتہ جا رہے ہیں
دوسرے نے جواب دیا۔ جی نہیں میں کلکتہ جا رہا ہوں
پہلے نے کہا اچھا میں سمجھا آپ کلکتہ جا رہے ہیں.

(۲)

ایک صاحب ہوٹل میں جاکر بیٹھے اور بیرے کو بلایا۔
بیرا ۔ لیس سر
وہ صاحب ہاف پلیٹ تندوری مرغ جلدی لے آؤ.
کافی دیر بعد جب مرغ نہیں آیا تو وہ غصے سے بولے ۔ بیرا.
بیرا. یس سر
وہ صاحب۔ ابھی تک مرغ کیوں نہیں آیا مرغ آنے کا انتظار ہے
بیرا نہیں سر دوسرے گاہک کا، باقی مرغ کون کھائے گا.

(۳)

ایک صاحب افیم کے نشے میں فٹ پر چلے جا رہے تھے لیکن ان کا ایک پیر فٹ پاتھ پر پڑ رہا تھا اور دوسرا سڑک پر.
کافی دیر تک ایک صاحب یہ دیکھتے رہے جب سے نہیں رہا گیا تو انہوں نے کہا ۔ کیوں بھائی تم ایک پیر فٹ پاتھ پر دوسرا سڑک پر رکھ کر کیوں چل رہے ہو؟
افیمی نے جواب دیا ۔ اوہو تبھی تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا ایک پیر چھوٹا کیسے ہو گیا۔

(۴)

ایک آدمی کی بیوی بہت موٹی تھی۔
ایک بار اتفاق سے گاؤں میں ریچھ آ گیا جس کی وجہ سے لوگ گھر چھوڑ کر چھوڑ کر بھاگنے لگے کسان کی بیوی بھی اس سے بولی چلو ہم بھی بھاگ چلتے ہیں کہیں وہ ہم کو بھی اٹھا نہ لے جائے۔
کسان بولا ریچھ آدمیوں کو اٹھا لے جاتا ہے گرین کو نہیں۔

(۵)

ایک شخص کو اخبار پڑھنے کی عادت جب تک صبح کو اخبار نہیں پڑھ لیتے تھے تب تک انھیں چین نہیں آتا تھا.
ایک دن اخبار نہیں آیا وہ صاحب دروازے سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور اخبار والے کا انتظار کرنے لگے جب کافی دیر ہو گئی۔ وہ اپنے بیٹے سے بولے پپو بیٹا سناؤ کوئی نئی تازہ خبر۔
پپو بولا۔ پاپا تازہ خبر یہ ہے کہ جس کواڑ سے آپ لگ کر کھڑے ہیں اس کا رنگ سوکھا نہیں ہے۔ دوسری خبر یہ کہ اخبار والا نہیں آیا تیسری خبر یہ ہے کہ آج آپ بے چین رہیں گے۔

(۶)

دو شرابی رات کو شراب کے نشے میں جا رہے تھے.

انہیں سے ایک نالی میں گر پڑے، بڑبڑاتے ہوئے بولا

تجھے نالی دکھائی نہیں دی۔

پہلا شرابی مجھے منع کیا کرو میں تو سنبھل کر چل رہا تھا مگر یہ کارپوریشن والے بڑے بدمعاش ہوتے ہیں۔ روزانہ رات کو نالیاں بیچ سڑک میں کر دیتے ہیں۔

(۷)

ایک صاحب ہوٹل میں گئے اور بیرے سے بولے ایک پلیٹ مچھلی اور ایک ہمدرد کا بوتل

بیرا مچھلی کی پلیٹ رکھتے ہوئے بولا یہ مچھلی کل کی بچا ہوئی ہے۔

تجارت کا راز بقیہ صفحہ

بقیہ صفحہ

اس اصول کو انہوں نے اپنی دکان میں استعمال کرنا شروع کیا، وہ اپنی دکان کے بیرونی حصہ میں بیٹھ جاتے اور ہر گزرنے والے کے چہرے کو پڑھتے یہاں تک کہ ان کی نظر اتنی پکی ہو گئی کہ وہ کسی آدمی کو دیکھ کر فوراً پہچان لیتے کہ یہ تالے کا گاہک ہے یا کسی اور مقصد سے سڑک پر چلا جا رہا ہے جس کے متعلق وہ اندازہ کرتے کہ وہ تالے کی لائن کی چیز خریدنا چاہتا ہے اس کو بلا اپنی آواز متوجہ کرکے اس کو اپنی دکان کے اندر بلاتے اس طرح ان کی دکانداری اچانک کافی بڑھ گئی یہاں تک کہ وہ بازار میں سب سے زیادہ فروخت کرنے والے دکاندار بن گئے۔

ترقی کا راز ہمیشہ سادہ اصولوں میں ہوتا ہے۔ مگر انسان ترقی کو ایسی چیز سمجھ لیتا ہے جو کسی بہت بڑی چیز کے ذریعے حاصل ہوتی ہو۔ آپ چند پیسے بدل سے اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے، اپنے محدود وسائل کو استعمال کرنے سے اور ایک کام کو مسلسل پکڑے رہنے سے کامیابی کے اعلیٰ مقامات تک پہنچ سکتے ہیں حالانکہ انہیں کوئی چیز جو بہت بڑی ہو اور ایک عام آدمی اس کو حاصل کر سکتا ہو۔

اسلام نے یورپ کو کیا دیا

پیچھے پہنچ گیا اور پیرس یونیورسٹی ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے بڑا مرکز بن گئی ہے۔

غرضیکہ اہل یورپ نے ابن رشد سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ڈاکٹر گستاؤ لیبان لکھتا ہے کہ: "وہ عرب فلسفی جس کی تصنیفات کا اثر یورپ پر سب سے زیادہ پڑا ابن رشد ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی کی ابتداء سے یورپ کی یونیورسٹیوں میں ابن رشد ہی کا فلسفہ رائج تھا چنانچہ ۱۴۷۳ء میں جب لوئی یازدہم نے نصاب تعلیم مقرر کیا تو حکم دیا کہ فلسفہ میں ابن رشد اور ارسطو کی تصانیف پڑھائی جائیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ صدیوں تک اہل یورپ اسلامی علوم و فنون پر ہی انحصار کرتے رہے ہیں اور اگر بغور دیکھا جائے تو اہل یورپ کی ترقی کا سنگ بنیاد ہی مسلمانان عرب کی علمی کاوشوں پر رکھا ہے۔ مغرب پر اسلامی تہذیب کے اثرات کسی خاص شعبے اور گوشے ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں نے مغرب کی زندگی اور تہذیب کے سب ہی شعبوں کو متاثر کیا ہے اور اب وہ اثرات مغربی تہذیب اور زندگی میں اس طرح رس بس گئے ہیں کہ انہیں شناخت اور جدا کرنا آسان نہیں رہا۔

بچہ

ملک و ملت کی قیمتی امانت ہے

اس کی بہتر سے بہتر تربیت کیجئے

بڑے ہو کر ملک و قوم کی ذمہ داری اسی پر ہے

…س صنعت و تجارت

جناب سراج الدین صاحب ۔ شمس ۔ ایکسپورٹس

جناب عیسیٰ شفیع صاحب ۔ پٹیل والے

جناب مقصود عالم صاحب ۔ عالم اینڈ کمپنی

چودھری محمد اقبال صاحب ۔ گرین روڈ لائنز

انیس احمد نظامی ۔ مارکونی الیکٹرونکس

عبدالرحمان صاحب ۔ R-K پروڈکٹس انڈیا

محمد کامل صاحب ۔ بمبئی آرٹ پریس

محمد ذکی صاحب ۔ ایشیا ٹریڈرز

عبدالقادر صاحب ۔ اے۔ایم۔ ٹوائے انڈسٹریز

محمد شاہد صاحب ۔ شاہد ہوٹل بلماران

شمس الرب صدیقی ۔ مینیجر ہمدرد دواخانہ ۔ چیرمین حج کمیٹی

سید محمد ہاشم ۔ انڈسٹریل بیرنگ اسٹور

رضوان علی جیلانی ۔ فائن انجینیرنگ ورکس

سردار سروپ سنگھ ۔ کرن ڈیری

اسرار احمد صاحب ۔ پریس سکریٹری دہلی ایڈمنسٹریشن

ایم افضل صاحب ۔ سوئیوالان

عاشقین صاحب قریشی ۔ قریشی ہوٹل چتلی قبر

ڈاکٹر سید نسیم بخاری ۔ قصاب پورہ

ایم ۔۔۔ فاروقی ۔ آرکیٹکٹ ۲۵۵ رکاب گنج ڈیلائٹ سینما

● آج ہر شخص انگلش اسکول کی تلاش میں سرگرم
عمل ہے اسی بہانے وہ اپنے قول سینیٹ کا علم کا ثانی حصہ
ایسے اسکولوں میں بطور چندہ دے آتا ہے۔ جہاں پر بچہ
مذہب اور انجمن روایات اور مذہبی اقدار سے کٹ جاتا ہے
مذہب اسلام کے علاوہ تمام مذاہب کا اثر بچہ قبول کر لیتے
اور والدین جوان ہونے پر اسے برداشت کرتے ہیں بلکہ
بعض اس قسم کا ماحول اپنانے کے لئے مواقع فراہم کرتے ہیں
پڑھایا زندگی کا ایک ایسا حصہ ہے جہاں انسان
کو اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی فکر ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچوں
کے بد اعمال پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔

اردو میڈیم اسکولوں میں دینی تعلیم دیتے ہیں
اور انگلش کے علاوہ تمام مضامین وہاں سے بہتر طریقے سے
پڑھائے جاتے ہیں لیکن فرق ہے صرف والدین
کی توجہ کا ہے۔ جتنی توجہ والدین ان اسکولوں پر صرف
کرتے ہیں اور جتنا روپیہ بچے کی کوچنگ پر خرچ کرتے ہیں
اگر اسی طرح توجہ اور اتنا ہی روپیہ اردو میڈیم پر خرچ کر
دیں تو مسلم بچوں کی ذہانت کا مقابلہ نہ ہو سکے گا۔

ان اسکولوں کے ساتھ جو رویہ مسلم قوم کا
ہے۔ اس سے انھیں بھی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ہر فرد
کو چاہیے کہ اسلامی ذرائع سے اپنے ہی ادارہ کو سنوارنا ہو گا
ان کی بھرپور امداد کرنی ہوگی اور تنقید کرنا ہوگی ساتھ
رکھنا ہوگا۔ پھر انگلش اسکول تلاش کرنے نہیں ہوں گے
انھیں اسکولوں میں چندہ دیتے ہوئے کوئی نہیں ہو گی
ایک طرف انگریزی تعلیم کا رونا۔ دوسری
طرف اداروں کی شناخت بحال نہیں معلوم ہو جس سے
یہ ادارے مسلم قوم کی دولت ہیں انھیں سنوارنا ہے

پندرھویں صدی سہ ماہی کے بجائے اب ماہنامہ کی حیثیت سے آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کا بنیادی مقصد ملک وقوم کی تعمیر اور نونہالان وطن کی تعلیم وتربیت کے اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مفید اور جدید مضامین شائع کرنا جو معلومات آج کے انسان کو اس کی اپنی مصروفیت کے سبب اسکولوں کالجوں سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔

تعلیمی سائنسی تکنیکی اور تجارتی اداروں سے رابطہ قائم کرکے باہمی دلچسپی کی خبریں شائع کرنا۔ تعلیمی تربیتی۔ طریقہ درس و تدریس سائنسی اور ایسے مضامین شائع کرنا جن کی مدد سے طلبا کو جدید معلومات فراہم ہوسکیں اور وہ یوپی ایس سی کے تمام مقابلے کے امتحانوں میں شریک ہوسکیں۔

تمام تعلیمی اداروں خصوصاً اردو میڈیم کے اسکولوں اور کالجوں کی سرگرمیاں اور ایکٹوٹیز فوٹوز کے ساتھ منظرِ عام پر لانا نیز ان کے مسائل کو پیش کرنا اور ان کا حل تلاش کرنا اس کا خصوصی مقصد ہوگا۔

اہل قلم سے گذارش

اہل قلم سے گذارش ہے کہ وہ غیر مطبوعہ مضامین اور کلام وغیرہ اشاعت کے لئے مدیر اعلیٰ پندرھویں صدی کے نام ۱۰۵۹ راجان اسٹریٹ فراشخانہ دہلی کے پتہ پر بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔ غیر مطبوعہ معیاری مضامین وکلام پر معاوضہ صرف سب سے اچھے مضمون یا کلام پر ہی پیش کیا جائے گا۔

تعلیمی ادارے اپنے اداروں کی ایکٹوٹیز (سرگرمیاں) ہمیں بھیجیں۔ ایکٹوٹیز کی رپورٹ کے ساتھ فوٹوز بھی بھیجیں تاکہ انھیں چھاپا جاسکے۔ ہونہار طلبا کے نام اور فوٹوز بھی بھیجیں، تعلیمی اداروں کے خاص خاص پروگراموں میں ہمارے ادارے کا نمائندہ اپنے کیمرے کے ساتھ شریک ہوکر اپنی رپورٹ شائع کرے گا۔

Amplifiers, 2 in 1 and 3 in 1.
From the world of Melodies